اجراء حسبِ ارشاد: شیخ الحدیث حضرت مولانا مشرف علی تھانوی قدس سرہ

مواعظ حکیم الامت اور دینی رسائل کی اشاعت کا امین

ماہنامہ الامداد لاہور پاکستان

مدیر مسئول (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی

مدیر ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

جلد ۲۲ | محرم الحرام ۱۴۴۳ھ | ستمبر ۲۰۲۱ء | شمارہ ۹

اسباب الفتنۃ

آزمائش کے اسباب (قسط اوّل)

از افادات

حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

عنوانات و حواشی: ڈاکٹر مولانا خلیل احمد تھانوی

قیمت فی پرچہ = /۴۰ روپے　　زر سالانہ = /۴۰۰ روپے

ماہنامہ الامداد لاہور
35422213
35433049
پتہ دفتر
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ
۲۹۱۔ کامران بلاک علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

ناشر: (مولانا) ڈاکٹر احمد میاں تھانوی
مطبع: ہاشم اینڈ حماد پریس
۱۳/۲۰ ریٹی گن روڈ بلال گنج لاہور
مقام اشاعت
جامعہ دار العلوم الاسلامیہ رجسٹرڈ لاہور پاکستان

وعظ

اسباب الفتنة

(آزمائش کے اسباب) قسط اوّل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے یہ وعظ ۲۷۔ ربیع الثانی ۱۳۳۱ ہجری کو موضوع سے سیولی ضلع گڑگانواں میں اہل محلہ کی درخواست پر ۳ گھنٹے ۵۰ منٹ تک بیان فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مال واولاد آزمانے کے لیے دی ہے کہ ان کی کثرت ومحبت میں مبتلاء ہوکر حد سے متجاوز تو نہیں ہوجاتا۔ اس وعظ میں محبت اموال واولاد میں اعتدال کی تعلیم اور تجاوز حدود سے ممانعت کی۔ مولانا سعید احمد صاحب تھانویؒ نے مسودہ اجمالی لکھا اور ان کے برادر خورد مولانا ظفر احمدؒ نے تفصیل لکھی۔

نوٹ: یہ کافی طویل وعظ ہے اس لیے دو اقساط میں شائع کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ العزیز

اللہ تعالیٰ تمام قارئین کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۰/۶/۲۰۲۱

اسباب الفتنة

(آزمائش کے اسباب) قسط اوّل

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱.....	حق سبحانہ وتعالیٰ کی بے انتہاء شفقت.....	۷
۲.....	خلاصہ آیت.....	۹
۳.....	بدعات کا اثر.....	۱۱
۴.....	حسن وجمال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.....	۱۳
۵.....	اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں.....	۱۳
۶.....	نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے.....	۱۵
۷.....	سادگی اور صفائی میں اعتدال.....	۱۶
۸.....	نقش ونگار کی ممانعت کا سبب.....	۱۷
۹.....	حسن تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.....	۲۱
۱۰.....	پیرانی صاحبہ کی عملی تبلیغ.....	۲۲
۱۱.....	ترکہ کے مال میں ضرورت احتیاط.....	۲۴
۱۲.....	بیت المال میں ضرورت احتیاط.....	۲۵
۱۳.....	ہمت وارادہ کے سبب نصرت خداوندی.....	۲۵
۱۴.....	ہمت کی فضیلت.....	۲۶
۱۵.....	عارف کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے.....	۲۷
۱۶.....	خرق عادت کو معجزہ کہتے ہیں.....	۲۸
۱۷.....	کم ہمتی کے بہانے.....	۲۹
۱۸.....	ہمت کے بعد نصرت خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ.....	۳۱
۱۹.....	اموال میت میں سلف کی احتیاط.....	۳۲
۲۰.....	آج کل ترکہ میں سخت بے احتیاطی.....	۳۲

۲۱.....	قوم چارج کا حال.....	۳۳
۲۲.....	علمی کمال کا خاصہ.....	۳۵
۲۳.....	شرافت خاندانی کا کمال.....	۳۵
۲۴.....	ائمہ مساجد کی خستہ حالی.....	۳۶
۲۵.....	دین سے بے پروائی.....	۳۷
۲۶.....	تجوید کی ضرورت واہمیت.....	۳۸
۲۷.....	قرآن مجید کی شان.....	۳۹
۲۸.....	قبروں کی پختگی پر فخر قابل افسوس ہے.....	۴۱
۲۹.....	اسلاف کی سادگی.....	۴۲
۳۰.....	مسلمان کا بڑا کمال.....	۴۲
۳۱.....	حضرات صحابہؓ کی حالت.....	۴۳
۳۲.....	ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا.....	۴۴
۳۳.....	حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کا فقر.....	۴۴
۳۴.....	انسانیت کی بات.....	۴۶
۳۵.....	حکایت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مراد آبادی.....	۴۶
۳۶.....	ایک گالی دینے والی کی حکایت.....	۴۷
۳۷.....	حکایت حضرت بایزید بسطامیؒ.....	۴۷
۳۸.....	حضرت گنج مرادآبادیؒ کی سادگی.....	۴۸
۳۹.....	حضرت گنج مرادآبادی کے پاس لیفٹیننٹ کی آمد	۴۸
۴۰.....	اخبار الجامعہ	۵۰

❁❁❁

❁

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للہ نحمدہٗ و نستعینہٗ و نستغفرہٗ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد انّ سیدنا و مولانا محمدًا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ اٰلہ و اصحابہ و بارک وسلم اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

إِنَّمَآ أَمۡوَٰلُكُمۡ وَأَوۡلَٰدُكُمۡ فِتۡنَةٞۚ وَٱللَّهُ عِندَهُۥٓ أَجۡرٌ عَظِيمٞ ﴿١٥﴾ فَٱتَّقُواْ ٱللَّهَ مَا ٱسۡتَطَعۡتُمۡ وَٱسۡمَعُواْ وَأَطِيعُواْ وَأَنفِقُواْ خَيۡرٗا لِّأَنفُسِكُمۡۗ وَمَن يُوقَ شُحَّ نَفۡسِهِۦ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ ﴿١٦﴾ إِن تُقۡرِضُواْ ٱللَّهَ قَرۡضًا حَسَنٗا يُضَٰعِفۡهُ لَكُمۡ وَيَغۡفِرۡ لَكُمۡۚ وَٱللَّهُ شَكُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٧﴾ عَٰلِمُ ٱلۡغَيۡبِ وَٱلشَّهَٰدَةِ ٱلۡعَزِيزُ ٱلۡحَكِيمُ (۱)

حق سبحانہ وتعالیٰ کی بے انتہاء شفقت

یہ چند آیات ہیں سورۂ تغابن کے اخیر کی جن میں حق تعالیٰ شانہ نے اپنے ایمان والے بندوں کو دو چیزوں کے نقصان پر اطلاع دی ہے اور یہ حق تعالیٰ کی نہایت

(۱) ”تمہارے اموال اور اولاد بس تمہارے لیے ایک آزمائش کی چیز ہے اور اللہ کے پاس بڑا اجر ہے تو جہاں تک تم سے ہو سکے اللہ سے ڈرتے رہو اور سنو اور مانو اور خرچ کیا کرو، یہ تمہارے لیے بہتر ہوگا اور جو شخص نفسانی حرص سے محفوظ رہا ایسے ہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اگر تم اللہ کو اچھی طرح قرض دو گے تو وہ اس کو تمہارے لیے بڑھاتا چلا جاوے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بڑا قدردان ہے بڑا بردبار ہے پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے زبردست حکم والا ہے“ سورۃ التغابن: ۱۵ تا ۱۸

شفقت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایسا چاہتے ہیں جیسے ماں باپ اولاد کو چاہتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ چنانچہ حدیث میں ہے کہ ماں باپ کو بھی اپنے بچہ کے ساتھ اتنی محبت نہیں ہوتی جتنی حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہے کیونکہ ماں باپ کو اولاد کے ساتھ جو کچھ محبت ہے وہ بھی خدا ہی کی دی ہوئی ہے اور جب وہ بھی خدا کی دی ہوئی ہے تو اس سے سمجھ لیجئے کہ خود خدا تعالیٰ کے پاس کتنی محبت ہوگی کیونکہ جو کوئی ایک چیز کو بانٹا کرتا ہے اس کے پاس وہ چیز دوسروں سے زیادہ ہوا کرتی ہے اور اگر وہ چیز صفت کمال ہو تو ایک درجہ میں اتصاف بھی ہوگا اور دوسروں کی تو یہ حالت ہے کہ کسی چیز کے بانٹنے اور دینے دلانے سے ان کے پاس وہ چیز کم ہوجاتی ہے مگر خدا تعالیٰ کے ہاں کمی نہیں ہوتی وہاں کمی کا احتمال ہی نہیں کیونکہ ان کے پاس ہر چیز کا غیر متناہی (۱) خزانہ ہے اور غیر متناہی میں کمی نہیں ہوسکتی تو خدا تعالیٰ نے جو اپنے بندوں میں ماں باپ کو محبت دی ہے اس سے خدا کے یہاں یہ صفت کچھ کم نہیں ہوئی کیونکہ اول تو صفت میں کمی کا احتمال نہیں (دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کے اخلاق کا دوسرے پر اثر ہوتا ہے مثلاً شاگرد میں استاد کی صفت کا اثر پہنچتا ہے نیز دوسرے اخلاق حمیدہ بھی صحبت کے اثر سے اس میں پیدا ہوجاتے ہیں مگر اس سے استاد کی صفت میں کمی نہیں ہوتی حالانکہ استاد کی صفات حادث (۲) اور ممکن ہیں جب صفت حادثہ ممکنہ میں بھی دوسرے کے افادہ (۳) سے کمی نہیں آتی تو حق تعالیٰ کی صفات میں جو کہ قدیمہ اور واجبہ (۴) ہیں یہ احتمال کیونکر ہوسکتا ہے ۱۲) دوسرے میں ابھی کہہ چکا کہ حق تعالیٰ کے یہاں ہر چیز کے خزانے بے انتہاء اور غیر متناہی ہیں پس اگر بفرض محال صفت میں افادہ سے کمی کا احتمال بھی ہوتا تو لا متناہی کی وجہ سے وہ احتمال مرتفع ہے (۵) بہرحال خدا تعالیٰ کی محبت جتنی بندوں کے ساتھ تھی دوسروں کو اس میں سے کچھ حصہ دینے سے اس میں کمی نہیں آئی اور جب ماں باپ کی محبت کا یہ حال ہے جو رات دن مشاہد ہے اور وہ خدا ہی کی دی ہوئی

(۱) نہ ختم ہونے والا (۲) ختم ہونے والا (۳) فائدہ اٹھانے سے (۴) ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گی (۵) وہ احتمال نہیں رہتا۔

ہے تو خود خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ کیسی کچھ محبت ہوگی اس کا تو اندازہ بھی نہیں ہوسکتا۔ بہر حال اسی محبت کا مقتضا یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہم کو ہر قسم کے نفع وضرر(۱) پر مطلع فرمادیا جو کام کی بات تھی وہ بھی بتلادی اور جو نقصان کی چیز تھی اس پر بھی مطلع فرمادیا۔

خلاصہ آیت

چنانچہ اس آیت میں دو چیزوں کا بیان ہے جو انسان کو پیاری تھیں اور ان میں انسان کا کچھ نقصان بھی ہے مگر نقصان کے ساتھ ان میں کچھ نفع بھی ہے۔ اس لیے یہاں ایسا لفظ استعمال فرمایا ہے جو لغۃً نفع کے لیے بھی بولا جاسکتا ہے اور نقصان کے لیے بھی گو عرفاً اس کا استعمال ضرر(۲) میں زیادہ ہے پس یا تو یہ کہیے کہ اس جگہ دو محبوب چیزوں کے نفع وضرر دونوں پر مطلع کیا ہے یا عرف کے اعتبار سے یوں کہیے کہ صرف ان کے ضرر پر مطلع کیا ہے اور ایسی چیزوں کے نقصان پر مطلع کرنے کی ضرورت بھی زیادہ تھی جو محبوب ہیں کیونکہ مکروہ اور ناگوار چیزوں کے نقصانات سے تو انسان خود ہی بچا کرتا ہے اور گو کبھی مکروہات میں بھی ابتلا ہوجاتا ہے مگر محبوب چیزوں میں ابتلا زیادہ ہوتا ہے۔ اسی لیے طبیب بیمار کو ایسی چیزوں سے زیادہ روکتا ہے جو مرغوب(۳) ہیں اور ان میں مریض کا نقصان ہے اب سمجھئے کہ وہ چیزیں کیا ہیں جن کا بیان اس آیت میں ہے سو وہ دو چیزیں ہیں ایک مال اور ایک اولاد اور ان میں دو باتیں ہیں۔ ایک تو ان کا مرغوب ومحبوب ہونا یہ تو بہت ظاہر ہے ہر شخص جانتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں مرغوب ہیں انسان مال واولاد کے واسطے کیا کیا کرتا ہے اور ان کے لیے کیسی کوشش کرتا ہے سب کو معلوم ہے جس سے ان دونوں کا محبوب ہونا ایسا ظاہر ہوگیا ہے کہ اس میں کچھ بھی خفا(۴) نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دنیا میں جتنے محبوب مشاغل اور جس قدر دھندے ہیں سب انہیں دو کے واسطے ہیں (درمیان وعظ میں حضرت نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ وہ روشنی کا زیادہ اہتمام

(۱) فائدہ اور نقصان سے باخبر کیا ہے (۲) نقصان (۳) پسندیدہ (۴) پوشیدگی۔

کرنے میں مشغول ہیں تو اس سے منع کرتے ہوئے فرمایا کہ) بقدر ضرورت روشنی کافی ہے زیادہ کی کیا ضرورت ہے اس میں علاوہ اسراف کے ایک کھلا ہوا نقصان یہ ہے کہ سامعین کا دل وعظ میں پوری طرح نہیں لگتا ہر ایک کی نظر اس پر رہتی ہے کہ اب وہ چراغ گل ہوا اور وہ بھڑکا اسی لیے تراویح کے ختم قرآن میں ہم لوگ زیادہ روشنی سے منع کرتے ہیں اس میں بھی علاوہ اسراف کے اتنا حرج تو کھلا ہوا ہے کہ کسی کا دل نماز میں اور قرآن میں نہیں رہتا خصوصاً ان لوگوں کا جو روشنی کے مہتمم ہوتے ہیں (۱) وہ تو بس یہی دیکھتے رہتے ہیں کہ اب فلاں فانوس بھڑک اٹھا اس کو کم کرنا چاہیے۔ اب دوسرا گل ہو گیا اسے جلانا چاہیئے اور جو چیز اصل مقصود میں یعنی قرآن سننے میں حارج ہو جس پر ختم قرآن موقوف ہے تو بتلایئے وہ قابل ترک ہے یا نہیں یقیناً یہ سب چیزیں قابل ترک ہیں مگر آج کل رسم پرستی کا طبائع پر اتنا اثر غالب ہے کہ باوجود ان کے کھلے نقصانات کے پھر بھی ان کو کیا جاتا ہے اور جو شخص منع کرے اس سے خفا ہوتے ہیں۔ اسی طرح مٹھائی کی تقسیم سے منع کرنا بھی لوگوں کو ناگوار ہوتا ہے مگر ہم اس لیے منع کرتے ہیں کہ اس سے اصل کام میں حرج ہوتا ہے یعنی عقائد کا قصہ تو الگ رہا (کہ لوگوں نے اس کو لازم اور ضروری سمجھ رکھا ہے چنانچہ بدوں مٹھائی کے ختم قرآن ان کے نزدیک معیوب ہو گیا ہے اور مباح کا اتنا التزام جو فساد عقیدہ کو مستلزم ہو جائے ناجائز و بدعت ہے مگر) اس سے قطع نظر کر کے میں یہ کہتا ہوں کہ اس سے اصل کام میں بھی حرج ہوتا ہے (چنانچہ بارہا دیکھا ہوگا کہ کسی مسجد میں نمازیوں کی تعداد کے موافق مٹھائی گئی مگر درمیان میں نمازی بڑھ گئے اور مٹھائی تھوڑی معلوم ہوئی تو اسی وقت ایک دو آدمیوں کو بازار بھیجا جاتا ہے کہ ایک دو روپیوں کی مٹھائی اور لے آؤ پھر یہ آدمی تو جماعت سے بالکل محروم رہے اور جو جماعت میں شریک رہے وہ بھی ہر دو رکعت پر سلام پھیر کر دیکھتے رہتے ہیں کہ وہ آ گئے یا نہیں اگر ان کو کسی وجہ سے دیر ہو گئی تو اب امام صاحب سے کہا جاتا ہے کہ ذرا نماز ٹھہر ٹھہر کر سکون سے پڑھیں جلدی نہ کریں تا کہ ختم تک مٹھائی لانے والے پہنچ جاویں ان

(۱) انتظام و اہتمام کرنے والے۔

کی نماز بھی ساری مٹھائی کے مراقبہ میں ختم ہوتی ہے آخر یہ حرکت خرافات ہے یا نہیں۔

بدعات کا اثر

ایک دفعہ کانپور میں میرے وعظ کے بعد بعض لوگوں نے مٹھائی تقسیم کرنے کا ارادہ کیا وعظ مغرب کے بعد سے عشاء تک ہوا تھا۔ تجویز یہ ہوئی کہ نماز عشاء کے بعد تقسیم کی جائے پھر یہ فکر ہوئی کہ مٹھائی تو ہے تھوڑی سی اگر عشاء کے بعد تقسیم کی گئی تو آدمی زیادہ ہوجائیں گے (کیونکہ مٹھائی کی خبر سن کر دوسری مسجدوں کے نمازی بھی یہاں آکر نماز میں شریک ہوجائیں گے) تو اس کی یہ تدبیر کی کہ کنڈی تو بند کردی اور ایک آدمی کو پہرہ پر کھڑا کیا کہ جو شخص آوے اس سے پوچھ لو اگر وہ پرانا نمازی ہے تو کھول دو ورنہ بند رکھو وہ پہرہ دار تو جماعت سے محروم رہا (اور کنڈی بند کرنے کی وجہ سے نہ معلوم کتنے آدمی جماعت سے محروم رہے ہوں گے) نماز کے بعد مجھے اطلاع ہوئی میں نے کہا کہ تم لوگ بدعات سے روکنے پر ہم لوگوں کو برا بھلا کہتے ہو مگر تم نے ان کا نتیجہ دیکھ لیا کہ محض مٹھائی کے انتظام کی وجہ سے ایک مسلمان کو تم نے جماعت سے محروم کیا جس کی حالت یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرا جی چاہتا ہے کہ تارکین جماعت کے گھر جلادوں اسی وعید کی بناء پر اکثر محققین نے جماعت کو واجب کہا ہے گو بعض نے سنت مؤکدہ بھی کہا ہے اور وہ بھی کوئی تھوڑی بات نہیں۔ سنت مؤکدہ بھی ایسی چیز ہے جس کی بابت بعض کتب فقہ میں ایک حدیث لکھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اس کے تارک کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی اور صحیحین میں گو یہ لفظ نہیں مگر ایسی ہی سخت وعید وارد ہے فمن رغب عن سنتی فلیس منی (۱) غرض ان تکلفات میں وہ اصلی کام رہ جاتا ہے جس کے شکریہ میں یہ تکلفات برتے جاتے ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ جو لوگ بہت آراستگی کرتے ہیں (۲) کہ کہیں قندیل لگاتے ہیں کہیں جھاڑ فانوس کہیں کچھ کہیں کچھ وہ اکثر بیان سننے سے محروم رہتے ہیں جیسا کہ یہاں بھی اسی قسم کا کچھ سامان ہوا ہے چنانچہ نظر آرہا ہے مگر خیر جو حد سے زائد تھا اس کو موقوف کردیا گیا ورلڑکوں کے خیال سے کچھ تھوڑا

(۱) ''جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ میرے طریق سے نہیں ہے'' سنن ابن ماجہ: ۱۸۴۶، المغنی عن حمل الأسفار: ۳: ۱۴۱ بلفظ: فمن لم یعمل بسنتی الخ (۲) سجاوت کا اہتمام

بہت رہنے دیا گیا (غالبا یہ تکلفات نوجوان لڑکوں نے کئے تھے اس لیے ان کی خاطر سے کسی قدر رہنے دیا گیا اور جو حد سے زائد تھے وہ حذف کردیئے گئے ۱۲) گو یہ سب کچھ محبت سے کیا گیا ہے مگر یہ محبت ماں کی سی ہے جس کے ساتھ کچھ نادانی بھی ہے (باپ کو تو اولاد کے ساتھ عاقلانہ محبت ہوتی ہے جس پر کوئی برا نتیجہ مرتب نہیں ہوتا بلکہ اس سے اولاد کی اصلاح ہوتی رہتی ہے اور ماں کی محبت نادانی کے ساتھ ہوتی ہے جس سے اولاد کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو یہاں پر جو محبت ان تکلفات کا سبب ہوئی ہے وہ ماں کی محبت سے مشابہ ہے اس لیے اس میں کچھ نادانی بھی شامل تھی ۱۲) اس میں ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ زیب وزینت کرنے والے یاد کرلیں کہ اس انتظام کے درمیان میں اگر جماعت ہونے لگی ہوگی تو بعض نے جماعت کو ترک کردیا ہوگا اور بعض نے نماز ہی نہ پڑھی ہوگی اور جس نے تنہا پڑھی بھی ہوگی اس کا بھی ترک جماعت سے جی تو برا نہ ہوا ہوگا۔ یہ ہے اصلی بات جس کی وجہ سے ان امور کو ہم منع کرتے ہیں اور ہم کیا منع کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع فرمایا ہے تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی زندگی کو دیکھو کہ وہاں کیسی سادگی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشرت کی یہ حالت تھی کہ وضع میں لباس میں مکان میں اٹھنے بیٹھنے میں غرض ہر چیز میں سادگی تھی مجلس میں کسی بات سے یہ نہیں معلوم ہوتا تھا کہ ان میں بزرگ اور سردار کون ہے حتی کہ اجنبی آدمی کو مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آکر پوچھنا پڑتا تھا من محمد فیکم کہ تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون سے ہیں؟ کیونکہ آپ کے سر پر کوئی بڑا بھاری عمامہ نہ ہوتا تھا نہ لباس دوسروں سے ممتاز ہوتا تھا نہ کوئی بڑا تخت تھا جس پر آپ بیٹھتے ہوں سب کی وضع اور نشست (۱) یکساں ہوتی تھی ہاں وعظ کے لیے البتہ آپ ممبر پر بیٹھتے تھے وہ بھی امتیاز کے لیے نہیں بلکہ دینی مصلحت کی وجہ سے۔ کیونکہ زمین پر بیٹھ کر تقریر کرنے سے مجمع کثیر کو برابر آواز نہیں پہنچ سکتی (اور آواز بھی پہنچ جائے جیسا کہ آپ کی آواز میں یہ معجزہ تھا کہ قریب وبعید سب کو یکساں پہنچتی تھی تو تمام

(۱) سب کے لباس وغیرہ اور بیٹھنے اٹھنے کے طریقے۔

سامعین آپ کے چہرہ مبارک پر تو یکساں نظر نہ کر سکتے تھے اور تقریر کے وقت متکلم کے لب ولہجہ کے مشاہدہ سے سامعین پر ایک خاص اثر ہوتا ہے ۱۲) اور کھڑے ہو کر تقریر کرنا بعض دفعہ تعب ومشقت کا سبب ہوتا ہے خصوصاً جبکہ دیر تک بیان کرنا ہو ان وجوہ سے وعظ کے وقت آپ ممبر پر بیٹھتے تھے باقی عام مجالس میں آپ سب کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے کہ کسی وضع سے امتیاز ظاہر نہ ہوتا تھا اس لیے لوگ آ کر پوچھتے تھے کہ تم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں جس کا جواب یہ ملتا تھا کہ ھذالمتکی الابیض یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ ہیں گورے چٹے جو (ہاتھ یا دیوار کا) سہارا لگائے بیٹھے ہیں۔

حسن و جمال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کا حسن تو عجیب وغریب تھا جو ہزاروں لاکھوں میں نہ چھپتا تھا اگر یہاں کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب آپ کا حسن ایسا تھا تو پھر نو واردوں کو پوچھنے کی کیوں نوبت آتی تھی حسن تو سب کو معلوم ہو جاتا ہے تو بات یہ ہے کہ (حسن بے شک چھپ نہیں سکتا مگر اس سے اتنا ہی تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ شخص سب سے زیادہ خوبصورت اور جمال میں بے نظیر ہے لیکن جو نو وارد آپ کو سلطان سمجھ کر آتا تھا اسے سامان سلطنت واسباب امتیاز نہ دیکھ کر بلکہ آپ کو سب کے ساتھ ملا جلا دیکھ کر حیرت ہوتی ہی تھی کہ میں ان میں سے کس کو بادشاہ سمجھوں کیونکہ حسن وجمال بدوں سامان سلطنت کے کسی کو سلطان سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ) آپ کا حسن ایسا لطیف تھا کہ دیکھنے والے کو فوراً اس کے تمام کمالات کا احاطہ نہ ہوتا تھا بلکہ آپ کے حسن کی یہ شان تھی۔

یزیدك وجهه حسنًا اذا مازدته نظرًا(۱)

اہل کمال کو تصنع کی ضرورت نہیں

یہ تو نشست وبرخاست کی کیفیت تھی۔ چلنے پھرنے میں آپ کی یہ عادت تھی کہ نہ سب سے آگے چلتے تھے نہ سب کے پیچھے بلکہ ملے جلے بیچ میں چلتے تھے اور بیچ

(۱) ''تیرے چہرہ میں حسن زیادہ ہی ہوتا ہے جس قدر اس پر نظر زیادہ ڈالتا ہوں''۔

میں اس طرح کہ کبھی دائیں کبھی بائیں غرض حضور ﷺ کی یہ سادگی تھی حالانکہ آپ کی شان یہ ہے کہ

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر(۱)

اور یہ بزرگی ہی تو وجہ تھی اس حالت کی کیونکہ اہل کمال کو تصنع (۲) کی ضرورت نہیں ہوتی تصنع اور تکلف وہ کرتا ہے جس میں ذاتی کمال نہ ہو اور جس میں ذاتی کمال ہوتا ہے وہ اسباب کمال سے مستغنی ہوجاتا ہے آپ کا ذاتی کمال خدا کی معرفت ومحبت ہے اس کے ہوتے ہوئے کسی تصنع کی آپ کو ضرورت نہ تھی اور یہ کمال آپ کی برکت سے بحمد اللہ ہر مسلمان کو حاصل ہے اور جس پر اس کی عظمت منکشف ہوگئی ہے وہ بھی آپ کی طرح سب چیزوں سے مستغنی (۳) ہوجاتا ہے چنانچہ ایک کابلی کہا کرتا تھا کہ ہم بڑے امیر ہیں ہم سے بڑھ کر دولت کسی کے پاس بھی نہیں ہے ہمارے پاس لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی دولت ہے مگر ہم نے اس دولت کی حقیقت کو نہیں سمجھا اس کے اثر کو دیکھا نہیں اس کی قدر کو جانا نہیں اس لیے ہم تکلف اور تصنع میں مبتلا ہیں واللہ یہ وہ دولت ہے کہ جس کے پاس یہ ہے اس کو کسی سامان کی ضرورت نہیں مگر ہماری وہ حالت ہے۔

جوئی لب ناں دربدر　　یک سبد پرناں ترا برفرق سر تو ہمی
تابزانوئی میاں قعر آب　　وز عطش وز جوع گشتستی خراب (۴)

سر پر روٹیوں کا ٹوکرا بھرا ہوا رکھا ہے اور تم بھیک مانگتے پھرتے ہو۔ دوسری قوموں کے طرز اختیار کر کے دولت کے متمنی ہو حالانکہ خود تمہارے پاس اتنی بڑی دولت ہے جس کی قیمت تمام دنیا بھی نہیں ہوسکتی ہمارے پاس واللہ سب کچھ ہے مگر خبر نہیں اور اسی بے خبری کا یہ نتیجہ ہے کہ اگر کوئی اس دولت کو جو ہمارے پاس ہے چھیننا چاہے تو بعض

(۱) ''قصہ مختصر آپ کا رتبہ خدا کے بعد بزرگ تر ہے'' (۴) ''تمہارے سر پر ایک ٹوکرا روٹیوں کا دھرا ہوا ہے اور تم روٹی کے ٹکڑے کو دربدر مارے پھرتے ہو تم دریا میں زانو تک پانی میں کھڑے اور بھوک اور پیاس سے مر رہے ہو'' (۲) بناوٹ (۳) بے نیاز۔

نادان اس سے بھی دریغ نہیں کرتے اور دنیا کے چار ٹھیکروں کے بدلے اسے دے دینا گوارا کر لیتے ہیں اور جو کوئی ان سے چار پیسے چھین لے تو لڑنے مرنے کو تیار ہو جاتے ہیں ان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک نادان بچہ کے جیب میں پندرہ روپیہ کی گنی(۱) پڑی ہو اور کوئی ایک لڈو کے بدلے میں اسے نکال لے تو وہ اس پر نہ لڑے گا لیکن ایک کانچ کے شیشہ پر لڑے گا اور روئے گا جس کی قیمت ایک پیسہ بھی نہیں تو راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ اس نادان کو گنی کی قدر و حقیقت معلوم نہیں اور کانچ کے شیشہ کی ظاہری بھڑک اس کو محبوب ہے یہی حال آج کل کے مسلمانوں کا ہے کہ ان کو ایمان کی قدر نہیں اس لیے ان کاموں سے باک نہیں جو ایمان کو زائل یا ضعیف کرنے والے ہیں وہاں روپے پیسے کی قدر ہے اس لیے نقصان مال کے ذرائع سے ڈرتے ہیں اگر ان کو متاع ایمان کی قدر معلوم ہو جائے تو پھر ان کا بھی وہی حال ہو جو اس کابلی کا حال تھا کہ اپنے کو سب سے زیادہ امیر سمجھنے لگیں غرض ہر مسلمان حقیقت میں صاحب کمال ہے اور کمال کے لیے بے تکلفی و سادگی لازم ہے بناوٹ تو وہ کرے جس میں عیب ہو اسی واسطے گنجا آدمی اپنا سر چھپایا کرتا ہے کبھی سر کھولنا پسند نہیں کرتا اور طرح طرح سے اپنا عیب ڈھانپتا ہے کہیں عمدہ ٹوپی پہنتا ہے کبھی بھڑک دار عمامہ باندھتا ہے اور جو تندرست ہو وہ تو ننگا سر ہونا زیادہ پسند کرتا ہے تاکہ اس کے بالوں کی خوبصورتی ظاہر ہو اس کو بناوٹ کی کیا ضرورت ہے۔

بآب و رنگ وخال وخطہ چہ حاجت روئے زیبارا(۲)

غرض صاحب کمال زیادہ زیب و زینت نہیں کیا کرتا ہاں جس میں خود کوئی کمال نہ ہو وہ زوائد سے اپنا عیب چھپایا کرتا ہے۔

نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے

اسی لیے آپ علماء محققین کو ہمیشہ سادہ لباس میں دیکھیں گے ہاں ناقص علماء کو جبہ و دستار کے اہتمام میں مشغول پائیں گے کیونکہ ان میں خود کمال نہیں ہے وہ لباس ہی سے بڑا بننا چاہتے ہیں ۱۲) میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہا کرو سادگی سے میرا یہ مطلب

(۱) قیمتی سکہ (۲) ''خوبصورت چہرہ کے لیے آب و رنگ خط و خال کی حاجت نہیں ہے''۔

نہیں میں نظافت اور صفائی سے نہیں منع کرتا بلکہ تکلف اور تصنع سے منع کرتا ہوں اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے نظافت اور چیز ہے بناوٹ اور چیز ہے نظافت تو شریعت میں مطلوب ہے اور اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا اہتمام فرمایا ہے کہ ارشاد فرماتے ہیں: نظفوا(۱) افنیتکم ولا تشبھوا بالیھود او کما قال اپنے گھروں کے سامنے کا میدان بھی صاف رکھا کرو اور یہود کی مشابہت مت کرو کیونکہ یہود صفائی نہیں رکھتے تھے تو جب گھر کے سامنے میدان کی بھی صفائی کا حکم ہے تو خود گھر کی صفائی کا کتنا حکم ہوگا پھر لباس اور بدن کی صفائی کا کس درجہ کا حکم ہوگا اور جب ظاہر کی بھی صفائی مطلوب ہے تو دل کی صفائی تو کیا کچھ مطلوب ہوگی (جس کی صفائی پر آدمی کا آدمی بننا موقوف ہے کیونکہ انسان تو دل ہی سے انسان ہے ۱۲)

سادگی اور صفائی میں اعتدال

غرض صفائی تو بڑی اچھی چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا بہت اہتمام تھا آپ بہت صاف رہتے تھے اور مسلمانوں کو بھی صفائی کی تاکید فرماتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ جمعہ کے دن کپڑے بدل کر آیا کرو مگر حکم نظافت کے ساتھ آپ کا یہ بھی ارشاد ہے البذاذۃ(۲) من الایمان کہ سادگی ایمان میں سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ سادگی اور نظافت دونوں جمع ہوسکتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تصنع (۳) اور تکلف شان ایمان کے خلاف ہے مگر آج کل دونوں طرف افراط وتفریط (۴) سے کام لیا جارہا ہے بعض لوگ جو صفائی پسند ہیں وہ تو حد تکلف تک پہنچ جاتے ہیں کہ ہر وقت بناؤ سنگار ہی میں رہتے ہیں کپڑا بھی ان کے واسطے قیمتی بھڑکدار ہونا چاہئے سرمہ کنگھی کا بھی ناغہ نہ ہونا چاہیے۔ کپڑوں پر استری کلف بھی دوسرے تیسرے دن ضرور ہونا چاہیئے اور جو سادگی پسند ہیں وہ میلے کچیلے رہتے ہیں غرض اعتدال نہیں ہے۔ سادگی اور صفائی یہ ہے کہ لباس چاہے گھٹیا

(۱) سنن الترمذی: ۲۷۹۹، کشف الخفاء للعجلونی: ۱/ ۳۴۲، الدر المنثرہ للسیوطی: ۶۰ (۲) سنن ابن ماجہ: ۴۱۱۸، المستدرک للحاکم: ۹/ ۱، المعجم الکبیر للطبرانی: ۱/ ۲۴۶، کنز العمال: ۵۶۱۹، ۵۶۲۲، مشکل الآثار للطحاوی: ۱/ ۴۸۷، ۴: ۱۵۱ (۳) بناوٹ (۴) آج کل لوگ یا کمی کرتے ہیں یا زیادتی کرتے ہیں۔

ہی ہو مگر داغ ودھبہ سے منزہ ہو اگر دھبہ لگ جائے فوراً اس کو چھڑادو اگر کپڑا میلا ہو جائے اس کو صابن سے دھوڈالو کلف اور استری کے انتظار میں نہ رہو اور اس کا انتظار تکلف ہے اسی طرح قیمتی بھڑکدار کپڑے کا اہتمام بھی تکلف ہے اور کپڑے پر داغ ودھبہ لگا رہنا یا ویسا ہی میلا کچیلا پہنے رہنا بھی برا ہے کہ یہ صفائی اور نظافت کے خلاف ہے اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سادگی اور صفائی کس طرح جمع ہو سکتے ہیں۔ پس سادگی کے ساتھ صفائی کا اہتمام بھی کرنا اعتدال ہے۔

نقش ونگار کی ممانعت کا سبب

ہمارے بزرگان دین نے کبھی کسی قسم کا تکلف نہیں کیا ہمیشہ سادگی اور اعتدال کو ملحوظ رکھا ہم کو بھی اپنی معاشرت کو ایسے ہی سادہ رکھنا چاہئے حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مسجد میں بھی تکلف کو گوارا نہیں فرمایا چنانچہ نقش ونگار کی ممانعت فرمائی حضرت عمرؓ نے بناء مسجد کے وقت معمار سے فرمایا اکن الناس من الحر والبرد وایاک ان تحمر او تصفر فتفتن الناس (۱) نقش ونگار کی اس واسطے ممانعت ہے کہ یہ فتنہ ہیں اس تکلف و بناوٹ سے آدمی اصل کام سے رہ جاتا ہے۔ بس انہی کے دیکھنے بھالنے میں مشغول ہو جاتا ہے۔ نماز میں یکسوئی نصیب نہیں ہوتی۔ دیکھئے تاج بی بی کے روضہ پر جا کر فاتحہ اور قل ھواللہ تو شاید ہی کسی کو یاد رہتی ہو بس یہی ہوتا ہے کہ یہ بیل کیا عمدہ ہے یہ پھول پتیاں کیسے خوبصورت ہیں کاری گر نے تراش میں کیسی خوبی رکھی ہے اور ایک جامع مسجد دہلی ہے کہ اس میں خوبصورتی کے ساتھ سادگی بھی ہے دیکھنے میں سیدھی سادی عمارت ہے ہاں اس کی خوبیاں غور کرنے سے معلوم ہوتی ہیں اور تاج بیبی کے روضہ میں خوبیاں کھلی ہوئی ہیں اس کا حسن بہت کھلم کھلا ہے جو اصل مقصود سے مانع ہو جاتا ہے اسی لیے ہمارے فقہانے مساجد میں ایسے نقش ونگار اور ظاہری بھڑک کو مکروہ قرار دیا ہے۔ جس سے نمازیوں کا دل بٹنے لگے حدیث میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک وہ وقت آوے گا کہ لوگ مسجد بنانے

(۱) ''لوگوں کو گرمی سردی سے بچا سرخ اور زرد رنگ کرنے سے بچ لوگوں کو اس سے فتنہ میں مت ڈالا''۔

پر باہم فخر کریں گے ایک اپنی مسجد کو اچھا کہے گا تو دوسرا اس سے اچھی بنانے کی کوشش کرے گا چنانچہ آج کل اس کا ظہور ہو رہا ہے کہ مسجدیں بھی نام کے واسطے بنائی جاتی ہیں حتیٰ کہ جب کوئی مسجد بناتا ہے تو نئی بناتا ہے گو نئی مسجد کی ضرورت نہ ہو پرانی مسجد کی تعمیر میں رقم لگانے کو پسند نہیں کرتے کیونکہ نام نہ ہوگا یوں سمجھتے ہیں کہ پرانی مسجد میں عمارت سے نام تو اصل بانی کا ہوگا پھر ہم کیوں اس میں رقم لگائیں۔ مگر خوب سمجھ لو کہ شہرت کی طلب سے شہرت نہیں ہوتی شہرت بھی اپنے کو مٹانے ہی سے ہوتی ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

اگر شہرت ہوس داری اسیر دام عزلت شو
کہ در پرواز دارد گوشہ گیری نام عنقارا(۱)

دیکھو عنقا پوشیدہ ہوگیا تو اس کا کس قدر نام ہوا کہ ہر شخص کی زبان پر اس کا نام ہے ہر غائب ہونے والے کو عنقا(۲) ہی سے تشبیہ دیتے ہیں ایسے ہی حضرات اہل اللہ کو دیکھو کہ وہ اپنے کو مٹاتے ہیں تو ان کا کتنا نام ہوتا ہے حتیٰ کہ مرنے کے بعد ان کی جوتیاں بھی تبرکات میں رکھی جاتی ہیں اور بادشاہوں کے عمدہ عمدہ تخت کی بھی کسی کو خبر نہیں غرض اول تو نام کی طلب ہی فضول ہے نام تو خدا ہی کا ہے اگر ہمارا نام مٹ ہی گیا تو کیا ہوا مٹنے کے لیے تو پیدا ہوئے ہیں اور اگر کسی کو طلب ہی ہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ شہرت کے سامان جمع کرے بلکہ اس کا طریقہ بھی اپنے کو مٹانا ہی ہے افسوس تو یہ ہے کہ آج کل لوگوں نے موت کو بھی تفاخر کا(۳) موقع بنا رکھا ہے چنانچہ کہیں تیجہ ہوتا ہے کہیں دسواں کہیں چالیسواں اور ان میں بڑا سامان اور تکلف کیا جاتا ہے یہ مسئلہ تو الگ رہا کہ یہ رسوم سنت کے خلاف ہے یا موافق مگر میں اس وقت ایک موٹی سی بات بتلاتا ہوں جس سے ان کا قبح (۴) بہت ہی سہولت سے واضح ہوجائے گا وہ یہ کہ حدیث میں ہے انما الاعمال بالنیات وانما لکل امر مانوی (۵) یعنی اعمال کا اعتبار نیت سے ہے (ہر آدمی

(۱) ''اگر شہرت کی ہوس ہے گوشہ نشینی اختیار کرو گوشہ گیری سے عنقا کا نام مشہور ہے'' (۲) ایک جانور ہے (۳) فخر کرنے کا (۴) برائی (۵) الصحیح للبخاری: ۱/۲، ۸/۱۷۵، ۹:۲۹، سنن أبي داؤد: ۲۲۰۱، سن الترمذی: ۱۶۴۷، سنن النسائی کتاب الطہارۃ باب: ۵۹، کتاب الایمان والنذور باب: ۱۹، سن ابن ماجہ: ۴۲۲۷، تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۴۵، شرح السنۃ للبغوی: ۱/۴۰۱۔

کے لیے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی ہے) تو اب یہ دیکھئے کہ تیجہ، دسواں کرنے والوں کی نیت کیا ہوتی ہے اس کا اندازہ اور امتحان اس طرح ہوسکتا ہے کہ اگر کسی نے اپنی ماں کے ایصال ثواب کے لیے پچاس روپے تجویز کئے ہوں اور ان کی پلاؤ پکوا کر مسجدوں میں یا غریبوں کے گھر بھیجنا چاہتا ہوتو ہم یا آپ اس کو یہ مشورہ دیں کہ اس رقم کی پلاؤ نہ کھلاوے بلکہ اس کو کسی وقتی ضرورت میں خرچ کردے کیونکہ وقتی ضرورت مقدم ہوا کرتی ہے اور اس میں خرچ کرنے کا ثواب غیر وقتی کاموں میں خرچ کرنے سے زیادہ ہوتا ہے مثلاً اس وقت ترکوں کی مدد کرنا (اور مجروحین جنگ بلقان کے لیے چندہ دینا) ایک وقتی ضرورت ہے اور اس میں رقم خرچ کرنا پلاؤ پکا کر بانٹنے سے زیادہ نافع ہے علیٰ ہذا اور کوئی ضرورت وقتی ہوتو وہ مقدم ہوگی اب اگر کوئی اس کو یہ مشورہ دینے لگے کہ بجائے پلاؤ کھلانے کے یہ رقم اس مد میں دیدو یا فلاں شریف آدمی کی آبرو جاتی ہے اس کو خفیہ طور پر دیدو اور اس طرح رقم خرچ کرکے اپنے باپ ماں کو ثواب بخشدو تو واللہ اس شخص کے دل میں فوراً یہ بات آئیگی کہ واہ میرا اتنا روپیہ خرچ بھی ہوا اور نام کچھ نہ ہوا یہ خوب رائے ہے کہ چپکے سے دیدو اگر وہ مہذب نہیں ہے تو دل کی بات صاف کہدیگا اور اگر مہذب ہے تو صاف تو نہ کہیگا مگر کسی نہ کسی تاویل سے ہیر پھیر کر توجیہات بیان کرکے پلاؤ کھلانے کو ترجیح دیگا اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ تیجہ دسویں سے باپ ماں کو ثواب پہنچانا مقصود نہیں بلکہ محض تفاخر ہی تفاخر اس کا منشا ہے چنانچہ کیرانہ میں ایک گوجر بیمار ہوگیا اس کا لڑکا حکیم کے پاس آکر کہنے لگا کہ حکیم جی اب دفعہ تو کسی طرح میرے باپ کو اچھا ہی کردو جاہلوں کے محاورات اکثر بے تکے ہی ہوتے ہیں اس قسم کے الفاظ وہ اکثر کہدیتے ہیں (جن سے مخلوق کے موثر ہونے کا ایہام ہوتا ہے مگر چونکہ وہ مسلمان تھا اس لیے اس کے کلام کو اسناد مجازی پر محمول کرنا چاہیئے چنانچہ اہل بلاغت نے لکھا ہے کہ موحد کے کلام میں انبت الربیع البقل میں اسناد مجازی ہے اور ملحد کے قول میں اسناد حقیقی ۱۲) جس کا منشا قلت مبالات ہے کہ لوگ الفاظ کو معمولی چیز سمجھتے ہیں حالانکہ الفاظ بڑی چیز ہیں انہی سے نکاح ہوجاتا ہے اور انہیں سے ٹوٹ جاتا ہے الفاظ ہی سے آدمی مسلمان سمجھا جاتا ہے اور الفاظ ہی سے کافر ہوجاتا ہے شریعت میں الفاظ کا اس درجہ اہتمام

ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لا یقولن احدکم خبثت نفسی ولیقل قلست نفسی یعنی اگر کسی کو متلی ہو تو وہ یوں نہ کہے کہ میرے طبیعت بُری ہے بلکہ یوں کہے کہ میری طبیعت مالش کرتی ہے یا مجھے متلی ہو رہی ہے کیونکہ مسلمان کی طبیعت بُری نہیں ہوسکتی جس کے پاس ایمان کی دولت ہے وہ کسی حال میں برا نہیں ہے تو دیکھئے حضور نے معمولی معمولی باتوں میں بھی رعایت الفاظ کی تاکید فرمائی ہے تو الفاظ بہت بڑی چیز ہیں اور یہاں سے ایک بات یاد آگئی میں اس پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہم لوگوں کو اپنے روز مرہ میں عربی مہینوں کا استعمال کرنا چاہیئے ہاں ضرورت کے موقعہ میں دوسرے مہینوں کے استعمال کا مضائقہ نہیں (مثلاً منی آرڈر پر دستخط کرنا ہو یا کوئی عدالتی کاغذ ہو وغیرہ وغیرہ ۱۲) باقی روزمرہ کی بول چال اور باہمی خط وکتابت میں عربی مہینوں ہی کا استعمال چاہیئے کیونکہ اس میں دوسرے مہینوں کے استعمال کی کچھ ضرورت نہیں پھر بلا ضرورت اور بلاوجہ اسلامی طریقہ کو چھوڑ کر دوسروں کا طریقہ کیوں لیا جائے مگر آجکل اس کی ذرا پروا نہیں کی جاتی اور اکثر نوجوانوں نے عربی مہینوں کا استعمال ترک کردیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ رمضان کب آگیا اور جو کسی کو خبر بھی ہوتی ہے تو وہ بھی انگریزی مہینوں کے ذریعہ سے، چنانچہ ایک صاحب کہنے لگے کہ اب کی بیسویں جولائی کو عید ہوگی حالانکہ عید ایک اسلامی چیز ہے مگر ان حضرات کو اسکا وقت بھی انگریزی ہی مہینوں سے معلوم ہوتا ہے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ میرے ایک دوست کہتے تھے کہ ایک مسلمان صاحب انگلستان سے کچھ پاس کرکے آئے تھے ان کے والد صاحب نے ان دوست کو لکھدیا کہ وہ فلاں وقت فلاں اسٹیشن پر پہونچیں گے تم ان سے مل لینا چنانچہ یہ ملے اس وقت رمضان کا مہینہ تھا مگر صاحب بہادر بے روزے تھے اور کھانے پینے میں مشغول تھے انہوں نے کہا کہ تم نے روزہ نہیں رکھا تو وہ حیرت سے پوچھتے ہیں کیسا روزہ انہوں نے کہا رمضان کا روزہ کیونکہ آجکل رمضان ہے تو وہ پوچھتے ہیں رمضان کیا چیز ہے ان دوست نے کہا ایک مہینہ ہے جس کا روزہ مسلمانوں پر فرض ہے تو وہ انگریزی مہینوں کو گننے لگے۔ جنوری، فروری، مارچ، اپریل، مئی جون، جولائی الخ اور ان میں رمضان کا مہینہ تو کوئی بھی نہیں انہوں نے کہا انا للہ وانا الیہ راجعون یہ تو بالکل ہی

بے دین ہوکر آیا ہے کہ اسلامی مہینوں کی بھی خبر نہیں (پس انگلستان سے پاس کیا ہوئے تھے کہ اسلام سے دور ہو گئے ۱۲)

حسن تعلیم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حسن تعلیم کو ملاحظہ فرمایئے کہ آپ فرماتے ہیں: لا یغلبنکم الاعراب علی اسم العشاء الاخرۃ و کانوا یسمونھا العتمۃ۔او کما قال (۱)

مطلب یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عشاء کے وقت کو عتمہ کہا کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہلا عرب اس لفظ میں تم پر غلبہ نہ کرنے پائیں کہ تم بھی ان کی طرح عشاء کو عتمہ کہنے لگو۔ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ شریعت نے جن الفاظ میں اپنی کوئی خاص اصطلاح مقرر کی ہے مسلمانوں کو اسی کا استعمال کرنا چاہیئے اس کو چھوڑ کر کفار کی اصطلاح نہ برتنی چاہیئے ظاہر میں تو یہ معمولی بات ہے کہ بول چال میں اپنے اسلامی الفاظ بولے جائیں مگر اس کے چھوڑنے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ان کو دیکھ کر اس تعلیم کی قدر معلوم ہوتی ہے واقعی اگر سب مسلمان الفاظ کو معمولی چیز سمجھ کر دوسری زبان کے مہینے استعمال کرنے لگیں تو رمضان اور عید اور حج وغیرہ کا کسی کو پتہ بھی نہ چلے کہ یہ کب آئے تھے اور کب چلے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رعایت الفاظ کی تعلیم فرما کر حقیقت میں محض الفاظ کو نہیں سنبھالا بلکہ دین کو سنبھالا ہے مگر آج کل لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں چنانچہ اسی کا اثر یہ ہے کہ وہ گنوار حکیم صاحب سے کہنے لگا کہ اب کے تو میرے باپ کو بچا ہی لو کیونکہ چاول بہت گراں ہیں اگر یہ مرگیا تو برادری کو تیجہ دسویں میں کھانا کھلانا پڑے گا جس کی مجھ میں ہمت نہیں اس غریب کو باپ کے مرنے کا اس قدر فکر نہ تھا جس قدر کہ اس بات کا فکر تھا کہ اب مرگیا تو خرچ بہت ہوگا۔ یہ قصہ تو قصبہ کیرانہ کا ہے اور خود ہمارے قصبہ میں بھی ایک قصہ یہ ہوا کہ ایک دن کوئی بڑھیا عورت ہمارے گھر میں آکر

(۱) مسند الامام أحمد ۲/۳۰۱۔۱۹، السنن الکبری للبیہقی: ۱/۳۷۲، مجمع الزوائد للہیثمی: ۱/۳۱۴، صحیح ابن خزیمہ: ۱/۳۴۱، حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم: ۸۔۳۸۵

کہنے لگی کہ میں فلانی کے گھر گئی تھی اس کی ساس مرگئی ہے وہ بہت رورہی تھی اور یوں کہتی تھی کہ مجھے اس کے کفن و دفن کا تو زیادہ فکر نہیں مجھے تو زیادہ غم اس بات کا ہے کہ اس وقت گھر میں کچھ بھی نہیں ہے اور مرنے کی خبر سن کر ساری برادری جمع ہوجاوے گی ان کے کھلانے پلانے کا سامان تو بھلا کس سے ہو مگر کہیں سے آٹھ آنہ پیدا ہوجاتے تو میں پان چھالیا منگا لیتی آنے والیوں کے سامنے پان ہی رکھے جاتے اور کفن تو ہو ہی رہے گا۔ اس کا انتظام تو برادری کے مرد خود کرلیں گے۔

پیرانی صاحبہ کی عملی تبلیغ

یہ سن کر میں نے اپنے گھر میں کہا کہ یہ کام تمہارے کرنے کا ہے کیونکہ وعظ کہاں تک اثر کرے گا تم اس رسم کو توڑو اور عورتوں کو سمجھاؤ کہ میت کے گھر جا کر کھانا پینا بہت بری بات ہے۔ ایک تو ان غریبوں پر موت کا صدمہ ہوا اور دوسرا صدمہ ان پر یہ ڈالا جاوے کہ وہ آنے والیوں کے کھانے پینے اور پان چھالیہ کا انتظام کریں بہت شرم کی بات ہے میری گھر میں (۱) اس سے پہلے کسی شادی غمی میں نہیں جاتی تھی کیونکہ اکثر جگہ منکرات ہوتے ہیں مگر میں نے اس ضرورت سے ان کو غمی کے مواقع پر جانے کی اجازت دے دی اور یہ کہا کہ دین کا کام ہے اس لیے تم کو شرکت کرنی چاہئیے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا کرنا شروع کیا اور عورتوں کو میت کے گھر جا کر کھانے پینے حتی کہ پان کھانے سے بھی روکا زیادہ اثر اس کا ہوا کہ انہوں نے خود اس پر عمل کیا کہ جس کے گھر گئیں اس کے یہاں پان تک نہ کھایا اول تو بہنوں نے ناک منہ چڑھایا کہ کیا ہم ایسے گرے پڑے اور مفلس غریب ہیں جو آنے والیوں کے پان چھالیہ کی بھی ہمیں مقدور (۲) نہ ہو لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں سب مستورات نے اس پر عمل شروع کردیا اور اب کوئی میت کے گھر پر پان تک نہیں کھاتی مرد تو بعض دفعہ چوک بھی جاتے ہیں مگر عورتیں بالکل پختہ ہیں غرض رسوم کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان سے تفاخر

(۱) گھر والی (۲) قدرت نہ ہو۔

کے سوا کچھ مقصود نہیں حتیٰ کہ موت کو بھی مایہ فخر بنا رکھا ہے اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شریعت میں اعمال کا اعتبار نیت پر ہے۔ جب ان میں لوگوں کی یہ نیتیں ہیں تو بتلایئے ان کو کس طرح جائز کہا جاوے میں نے بعض شہروں میں دیکھا ہے کہ میت کے اوپر دوشالہ ڈالتے ہیں مگر وہ غریبوں کو نہیں دیا جاتا بلکہ تھوڑی دیر کے بعد اتار کر گھر میں دھرلیا جاتا ہے اور مزا یہ کہ لوگوں کا یہ بھی خیال ہے کہ مردہ کی ہر چیز منحوس ہو جاتی ہے مگر ہمارا نفس بڑا شریر ہے کہ اپنا نفع کہیں جانے نہیں دیتا چنانچہ گاڑھے اور لٹھے کے کپڑے تو منحوس ہو جاتے ہیں مگر دوشالہ اور روپیہ اور مردہ کا گھر اور جائیداد وغیرہ قیمتی اشیاء منحوس نہیں ہوتیں وہ تو ایسا مبارک ہے کہ بے مانگ نہ ملے تو اس کا غصب بھی عوام کے نزدیک جائز ہے چنانچہ میت کے روپے میں اکثر غبن ہوتا ہے جس کے جو ہاتھ لگا لے لیا دوسروں کو پتہ ہی نہیں دیتے علیٰ ہذا مکان اور جائیداد میں ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اکیلا میں ہی سب کا مالک بن بیٹھوں کاش اگر یہ گاؤں بھی منحوس ہو جاتے تو آج ہمیں ترکوں کے چندے ہی میں مل جاتے مگر نفس بڑا عقلمند ہے یہ انہی چیزوں کو منحوس بتاتا ہے جو گھٹیا قیمت کی ہوں (اگر کسی عورت نے اطلس وکمخواب کے کپڑے چھوڑے ہوں تو انہیں کوئی منحوس نہیں سمجھتا گو وہ اس کے ایک دو دفعہ استعمال کئے ہوئے بھی ہوں ۲۱) غرض مردہ پر دوشالہ ڈالنا محض تفاخر کے لیے ہوتا ہے تو کیا ٹھکانا ہے ہماری غفلت کا کہ ہم نے موت کو بھی مایۂ فخر بنالیا ہے۔ سچ ہے

کسی کی جان گئی آپ کی ادا ٹھہری

مرنے والا تو بیچارہ جان سے گیا اور آپ کو ایک مشغلہ ہاتھ آ گیا کہ اس وقت بھی دل کے حوصلے نکالے جاتے اور فخر ونمود کے سامان کئے جاتے ہیں ۱۲) حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ پسند خصوصاً میت کے لیے سفید کپڑا تھا مگر ہم لوگ خلاف سنت رنگ برنگ دوشالے ڈالتے ہیں جو محض فخر کے لیے ڈالے جاتے ہیں غریبوں کو دینے کو نہیں ڈالتے اور اگر کسی نے غریبوں ہی کو دے دیا تو یہ دینا بھی فخر ہی کے لیے ہے تاکہ لوگ یہ کہیں کہ فلاں شخص بڑا عالی حوصلہ ہے جس نے اپنے باپ کے اوپر پچاس روپیہ کا دوشالہ ڈالا تھا اور اتار کر اللہ واسطے دے دیا بلکہ غور کر کے دیکھا جائے

تو سفید کپڑا بھی جو کفن کے علاوہ مردہ کے اوپر ڈالا جاتا ہے وہ بھی فخر ہی کے لیے ہوتا ہے کیونکہ اوپر کی چادر کفن سے خارج ہے بس کفن تو اسی قدر ہے جس میں مردہ لپٹا ہوا ہوتا ہے۔ یہ زائد چادر کفن میں داخل نہیں (اس کا منشا کہیں تو اکرام میت ہے اور اکثر محض فخر ہے ۱۲) اور یہاں سے یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ اکثر لوگ اس کی پروا نہیں کرتے کہ اوپر کی چادر ترکہ میں سے نہ ہو حالانکہ یہ بہت ضروری بات ہے مگر عام دستور یہ ہے کہ چادر بھی ترکہ ہی میں سے منگائی جاتی ہے کیونکہ یہ بات ٹھہری ہوئی ہے کہ تجہیز و تکفین کا خرچ ترکہ میں سب سے مقدم ہے یہ مقدمہ تو صحیح ہے مگر غلطی یہ ہے کہ اوپر کے کپڑے کو کفن میں داخل سمجھ کر اس کو بھی سب سے مقدم کرتے ہیں حالانکہ وہ کفن میں داخل نہیں اور اس کی قیمت ترکہ سے دینا بدوں تمام وارثوں کی اجازت کے حلال نہیں اور زیادہ تر یہی ہوتا ہے کہ ورثاء متعدد ہوتے ہیں اور سب سے اس کی اجازت نہیں لی جاتی اور جو ایک دو سے لے بھی لی تو بعض کی اجازت معتبر نہیں سب کی اجازت ہونی چاہیئے بشرط بلوغ (اس لیے اول تو اس چادر کی مردے کے لیے ضرورت ہی نہیں اور اگر کسی کا ایسا ہی دل چاہے تو اس کی قیمت اپنے پاس سے دینا چاہیئے ترکہ میں سے نہ دینا چاہئے ۱۲)

ترکہ کے مال میں ضرورت احتیاط

ترکہ کے مال میں لوگ بالکل احتیاط نہیں کرتے جو لوگ میت کے گھر جاتے ہیں وہ بے تکلف اس کی چیزیں استعمال کرتے رہتے ہیں حالانکہ مرنے کے بعد فوراً وہ تمام چیزیں میت کی ملکیت سے نکل کر ورثاء کی ملک میں داخل ہوگئی ہیں اب ان کا استعمال بدوں تمام ورثاء کی اجازت کے جائز نہیں۔ اہل تقویٰ نے یہاں تک احتیاط کی ہے کہ ایک بزرگ رات کے وقت اپنے دوست کی عیادت کو گئے اور ان کے سامنے اس کا انتقال ہوگیا تو آپ نے فوراً چراغ گل کر دیا اور ایک شخص کو اپنے پاس سے پیسے دیئے کہ بازار سے تیل لے آؤ کیونکہ اس چراغ کا تیل میت کے مرتے ہی ورثاء کی ملک ہوگیا ہے جن میں بعض حاضر اور بعض غائب ہیں (اور ممکن ہے کوئی نابالغ بھی ہو) اس سے انتفاع (۱) اب درست نہیں، حضرت یہ بات آپ کو عجیب معلوم ہوتی ہوگی مگر تعجب کا

(۱) فائدہ اٹھانا

منشا یہ ہے کہ آپ کو ان امور (۱) کا اہتمام نہیں اگر آپ کو بھی حلال وحرام کا خیال ہو جائے تو پھر آپ کا بھی یہی معمول ہوگا۔

بیت المال میں ضرورت احتیاط

حضرت عمر فاروقؓ کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ رات کے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان سے ملنے کو آئے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو اندر بلالیا اور ان کے آتے ہی چراغ گل کر دیا۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ میرے آتے ہی آپ نے چراغ کیوں گل کر دیا فرمایا کہ اس میں بیت المال کا تیل ہے اور میں اس وقت بیت المال ہی کا کام کر رہا تھا اب چونکہ ہم اور آپ باتیں کریں گے اور یہ کام بیت المال کا نہیں ہے اس لیے اس تیل سے بات چیت میں انتفاع نہیں کر سکتے حضرت آپ کو اس پر بھی تعجب ہوگا مگر اس کی وجہ وہی ہے کہ آپ کو شریعت کے اصول وقواعد معلوم نہیں اور جو معلوم بھی ہیں تو ان پر عمل کا اہتمام نہیں ہے، شاید یہاں کسی کو یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ اتنی احتیاط کس سے ہو سکتی ہے یہ تو قدرت سے باہر ہے تو سن لیجئے کہ قدرت سے باہر تو نہیں ہاں دشوار ضرور ہے مگر دشواری اسی وقت تک ہے جب تک آپ نے ہمت نہیں کی ذرا ہمت کر کے عمل شروع کیجئے ان شاء اللہ قدم قدم پر غیب سے اعانت ہوگی۔

ہمت وارادہ کے سبب نصرت خداوندی

چنانچہ میں اپنا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے معلوم ہوا کہ ہمت وارادہ کے بعد حق تعالیٰ کیسی امداد فرماتے ہیں۔

بارہ اکبر پور ایک مقام ہے اس کے قریب ایک چھوٹا سا اسٹیشن لالپور ہے ایک دفعہ میں بارہ سے وہاں پہنچا اور بارش کے سبب وقت سے بہت پہلے پہنچا اتفاق سے جس وقت میں پہنچا بارش ہونے لگی اور اسٹیشن کا سائبان بوچھار سے نہ بچا سکتا تھا۔ اکبر پور میں ایک منصف صاحب میرے جاننے والے تھے ان کو اطلاع ہوگئی تو انہوں نے

(۱) کاموں کا۔

اسٹیشن ماسٹر کو لکھ دیا کہ یہ ہمارے دوست ہیں ان کی راحت کا کافی انتظام کیا جائے۔ اس غریب نے ہمارے واسطے ایک بڑا کمرہ کھلوادیا شام ہوئی تو چوکیدار سے کہا کہ کمرہ میں روشنی کردو اس وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ غالباً اس وقت ہمارے واسطے سرکاری تیل جلاکر روشنی کی جاوے گی جو شرعاً جائز نہیں کیونکہ سرکاری تیل سرکاری کاموں کے واسطے دیا جاتا ہے نہ کہ مسافروں کی خاطر رات بھر جلانے کے واسطے اب اگر اسٹیشن ماسٹر مسلمان ہوتا تو میں بے تکلف اس سے کہہ دیتا کہ ہمارے واسطے سرکاری تیل کا جلانا جائز نہیں مگر وہ ہندو تھا میں نے سوچا کہ اس کے سامنے شرعی مسئلہ بیان کروں تو یہ کیا سمجھے گا بلکہ عجب نہیں کہ تمسخر کرنے لگے غرض جب کوئی تدبیر سمجھ میں نہ آئی تو میں نے خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ اس وقت آپ ہی مجھ کو گناہ سے بچایئے میری کوشش تو بے کار ہے۔ میں دل دل میں دعا ہی کررہا تھا کہ دفعۃً اسٹیشن ماسٹر نے ملازم سے کہا کہ دیکھو سرکاری تیل نہ جلانا ہماری ذاتی لالٹین رکھ دینا۔ اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ اگر انسان ہمت وارادہ کرے تو خدا تعالیٰ مدد کرتے ہیں اس لیے آپ گھبرائیں نہیں بلکہ ہمت سے کام لینا چاہئے۔ دنیا کے کاموں میں تو آپ کبھی ہمت نہیں ہارتے بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل کام شروع کردیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ السعی منی والاتمام من اللہ (میرا کام کوشش کرنا ہے پورا کرنا اللہ کا کام ہے) چنانچہ اس نیت کی برکت سے کامیاب بھی ہوتے ہیں مگر دین کے کاموں میں ہمت نہیں کرتے۔

ہمت کی فضیلت

صاحبو! ہمت وہ چیز ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے اپنی طرف مائل کرنا چاہا تو اس مکان کے ساتوں دروازوں پر قفل ڈال رکھے تھے جب حضرت یوسف علیہ السلام نے زلیخا کا ارادہ معلوم کیا اور وہاں سے اٹھ کر بھاگنا چاہا تو یہ دیکھ کر سخت گھبرائے کہ میرے سامنے سات دروازے ہیں اور ہر ایک پر مضبوط قفل لگا ہوا ہے اب دیکھئے اس وقت ہماری ہمت کہاں تک بڑھ سکتی تھی اگر ہم ہوتے تو بھاگنے

کا کبھی خیال ہی نہ کر سکتے مگر نبی کی ہمت ہمت ہی ہے یوسف علیہ السلام نے یہ سوچا کہ مجھے قفل تک تو بھاگنا چاہیئے اس کے بعد جو چاہے سو ہو مجھے اپنی ہمت کے موافق کام کرنا چاہیئے آگے خدا کا کام ہے چنانچہ وہ زلیخا کے پاس سے بھاگے اور زلیخا ان کے پیچھے پیچھے پکڑنے کو دوڑی پھر اس ہمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حق تعالیٰ نے امداد فرمائی اور جس دروازہ پر یوسف علیہ السلام پہنچتے تھے اس کا قفل خود بخود گر جاتا اور کواڑ چوپٹ کھلتے جاتے تھے۔ لوگ یوسف علیہ السلام کے اس فعل کو (ابتداء میں) خلاف عقل کہتے ہوں گے کہ بھلا جب دروازے مقفل تھے اور کنجی اپنے پاس نہ تھی تو بھاگنا فضول حرکت تھی اس وقت بھاگنے سے کہیں دروازے کھل سکتے تھے مگر صاحبو!

عقل در اسباب می دارد نظر عشق میگوید مسبب رانگر(۱)

عارف کی نظر مسبب الاسباب پر ہوتی ہے

عارف کی نظر اسباب پر نہیں ہوتی وہ مسبب الاسباب کو دیکھتا ہے اور اس پر بھروسہ کر کے وہ کام شروع کر دیتا ہے جو بظاہر قدرت سے باہر ہوتا ہے مگر حق تعالیٰ کی امداد سے ان کو کامیابی ہوتی ہے ہماری اور اہل عرفان کی ایسی مثال ہے جیسے ایک گنوار نے کبھی یہ دیکھا تھا کہ لال جھنڈی کے ملنے سے ریل رک گئی تھی وہ یہ سمجھا کہ اس لال جھنڈی میں کچھ خاصیت ہے اس نے ڈرائیور کو نہیں دیکھا مگر اس وقت ایک عاقل بھی کھڑا تھا اس نے لال جھنڈی کے دیکھتے ہی سمجھ لیا کہ اس میں تو ریل کے روکنے کی طاقت نہیں اب یہ دیکھنا چاہیئے کہ یہ جھنڈی دکھائی کس کو گئی ہے۔ چنانچہ ڈرائیور پر اس کی نظر پہنچی اور اس نے تاڑ لیا کہ لال جھنڈی کو دیکھ کر یہ شخص ریل کو روک دیتا ہے اب وہ اس گنوار سے کہتا ہے کہ لال جھنڈی ریل کو نہیں روکتی بلکہ اس کو دیکھ کر ڈرائیور روک دیتا ہے تو وہ اس کو خلاف عقل سمجھے گا اور یہ کہے گا کہ اگر ڈرائیور روکتا تو ہم کو بھی تو نظر آتا اس سے معلوم ہوتا ہے جھنڈی ہی روکنے والی ہے یہی حالت ہماری ہے کہ ہم نے آگ سے بہت سی چیزوں کو جلتے ہوئے دیکھا ہے پانی سے ٹھنڈک پہنچنے کا احساس کیا تو بس انہی کو فاعل سمجھنے

(۱) ''عقل اسباب کو دیکھتی ہے عشق مسبب کی طرف دیکھتا ہے''

لگے مگر عارف کی نظر مسبب پر ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ ان اسباب کے اختیار کرنے پر جب حق تعالیٰ کا حکم بھی ہوتا ہے اس وقت اثر ہوتا ہے ورنہ کچھ نہیں ہوتا اس لیے وہ حق تعالیٰ کو فاعل سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ آب و آتش (۱) میں کچھ نہیں رکھا بلکہ سب کچھ خدا ہی کرتا ہے مگر

عشق من پیدا و معشوقم نہاں یار بیروں فتنہ اور در جہاں (۲)

وہ نظر نہیں آتے اس لیے تم نے ظاہری اسباب کو مؤثر سمجھ لیا ہے (اور گو آنکھوں سے تو عارف کو بھی نظر نہیں آتے مگر وہ دل کی نگاہ سے ان کو دیکھتا ہے) پس ہمارا یہ کہنا کہ بدوں کنجی (۳) کے خود بخود قفل (۳) نہیں کھل سکتا ایسا ہی ہے جیسے وہ گنوار کہتا تھا کہ بدوں لال جھنڈی کے ریل کبھی نہیں رک سکتی مگر یہاں ہر شخص اس کو بیوقوف بناتا ہے اور کہتا ہے کہ روکنے والا تو ڈرائیور ہے وہ بدوں جھنڈی کے بھی روک سکتا ہے اسی طرح عارفین اس بات میں ہم کو بیوقوف کہتے ہیں کہ قفل خود بخود نہیں کھل سکتا وہ فرماتے ہیں کہ کنجی کے بعد بھی کھولنے والے حق تعالیٰ ہی ہیں وہ اگر چاہیں تو بدوں کنجی کے بھی کھول سکتے ہیں اسی خیال سے یوسف علیہ السلام قفل کی طرف دوڑے گو آپ اس کو خلاف عقل کہیں مگر ان کی نظر خدا پر تھی وہ جانتے تھے کہ لوہے کی نرمی اور آگ کی گرمی سب خدا کے اختیار میں ہے اگر وہ چاہیں تو آگ سے بھی لوہے کو نرم نہ کریں اور اگر چاہیں تو بدوں آگ کے نرم کردیں باقی یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے ایک خاصیت کو معتاد غالب کردیا ہے کہ لوہے میں سختی غالب ہے اور آگ میں گرمی غالب ہے۔

خرق عادت کو معجزہ کہتے ہیں

چنانچہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ بدوں آگ پر گرم کئے لوہا نرم نہیں ہوتا تاکہ آپ دنیا کے کام کرسکیں اگر ہمیشہ خود بخود لوہا نرم ہوجایا کرتا تو سارے اوزار اور تمام تالے بے کار ہوجاتے مگر اس سے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا اگر حق تعالیٰ چاہیں تو اس کے خلاف بھی کرسکتے ہیں مگر وہ ایسا کبھی کبھی کیا کرتے ہیں ہمیشہ نہیں کرتے

(۱) پانی اور آگ (۲) ''یار تو جہاں سے باہر ہے مگر اس کا تصرف جہاں کے اندر ہے اور وہ خود نظر نہیں آتا'' (۲) چابی (۳) تالہ۔

اس لیے خرق عادت کو معجزہ شمار کیا جاتا ہے اور اسی واسطے یوسف علیہ السلام کے دوڑنے سے تالوں کا گر جانا ان کا معجزہ شمار کیا جاتا ہے اور اگر کسی مسلمان کے لیے ایسا واقعہ ہوجائے تو اس کو کرامت کہا جائے گا جب حق تعالیٰ اسباب کے خلاف بھی کام کرسکتے ہیں تو پھر آپ ہمت کیوں ہارتے ہیں جو کام آپ کو مشکل نظر آتا ہے وہ خدا کو تو مشکل نہیں آپ خدا پر نظر کرکے کام شروع کیجئے۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں۔

گرچہ رخنہ نیست عالم را پدید خیر یوسف وارمی باید دوید(۱)

یعنی گو اس جہان میں خدا تک پہنچنے کا کوئی رستہ نظر نہیں آتا مگر تم (یوسف علیہ السلام کی طرح) دوڑو تو سہی ان شاء اللہ تمہارے دوڑتے ہی راستہ نکل آئے گا جیسے یوسف علیہ السلام کے دوڑنے سے پہلے راستہ بند تھا اور ان کے دوڑتے ہی فوراً راستہ کھل گیا اور اگر بالفرض تمہاری کوشش کے بعد بھی راستہ نہ ملا تو تم پر ملامت تو نہ ہوگی یہ نفع کیا کچھ کم ہے کہ تم الزام سے سبکدوش ہوجاؤ گے۔

کم ہمتی کے بہانے

باقی کام شروع کرنے سے پہلے ہی باتیں بنانا اور یہ کہنا کہ یہ تو بڑا مشکل ہے کیونکر کریں یہ سب کم ہمتی کے بہانے ہیں مجھے اس مقام پر ایک حکایت خوب یاد آئی جب حضرت شاہ غلام رسول صاحب کانپوریؒ اپنے شیخ کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے تو انہوں نے استخارہ کے لیے فرمایا تھوڑی دیر مسجد میں بیٹھ کر پھر حاضر ہوگئے پوچھا استخارہ کرلیا کہا جی ہاں کرلیا فرمایا تم تو بہت جلدی آگئے تم نے کیونکر استخارہ کیا تھا۔ عرض کیا حضرت میں نے اپنے نفس سے کہا تھا کہ تو جو بیعت ہوتا ہے یہ غلامی ہے تو خواہ مخواہ آزادی کو چھوڑ کر غلامی کی قید میں کیوں پھنستا ہے میرے نفس نے جواب دیا کہ اس قید سے مجھے خدا مل جائے گا۔ میں نے کہا تیرا کیا اجارہ (۲) کہ تجھے خدا مل ہی جائے گا۔ اگر نہ ملا تو اس نے جواب دیا کہ اگر خدا نہ بھی ملا تو ان کو یہ تو معلوم ہوجائے گا

(۱) ''اگرچہ قیود نفسانیہ سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں ہے پھر بھی حضرت یوسفؑ کی طرح مقدور بھر کوشش کرنی چاہئے'' (۲) تیرا کیا دعویٰ کہ تجھے خدا مل ہی جائے گا۔

کہ اس نے مجھ کو طلب کیا تھا بس مجھے یہی کافی ہے۔

ہمینم بس اگر کاسد قماشم کہ من نیز از خریدارنش یاشم
ہمینم بس کہ داند ماہردیم کہ من نیز از خریداران اویم(۱)

سبحان اللہ! یہ وہ مقصود ہے جس میں وسوسہ کا احتمال ہی نہیں کیونکہ حق تعالیٰ کو طلب کی اطلاع تو یقیناً ہوتی ہے اس میں کچھ شبہ ہی نہیں ہوسکتا اور یہی مقصود ہے تو اب شیطان کو وسوسہ ڈالنے کا کوئی راستہ نہیں مل سکتا بس ہم کو بھی ذکر وطاعات سے اسی ثمرہ کا قصد کرنا چاہیئے کہ حق تعالیٰ کو ہماری طلب کی خبر ہوجاوے اب آگے ملنے نہ ملنے کا انہیں اختیار ہے۔ خوب فرماتے ہیں۔

کار خود کن کار بیگانہ مکن (۲)

تم اپنا کام کرو یعنی طلب ظاہر کرو آگے وصال وعدم وصال یہ خدا کا کام ہے تم اس کے پیچھے نہ پڑو۔ شیخ نے یہ عجیب استخارہ سن کر فرمایا کہ بھائی تمہارا استخارہ سب سے بڑھا ہوا ہے۔ آؤ بیعت ہوجاؤ (واقعی جس کو طلب ہوتی ہے اسے حق تعالیٰ خود ہی پڑھادیتے ہیں ۲۱) مجھے اس استخارہ پر ایک اور حکایت یاد آئی۔ ہمارے اطراف میں ایک بزرگ تھے مولانا مظفر حسین صاحبؒ ورع اور تقویٰ میں بے مثل تھے ان کے سامنے ایک صاحب باطل نے اہل حق کی جماعت پر ایک خاص مقصود کے متعلق کوشش کرنے پر جس میں ناکامی ہوئی تھی اعتراض کیا کہ آپ لوگوں کو بھلا کیا ملا مولانا مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کچھ نہیں ملا مگر

سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہ کن بازی اگرچہ پانہ سکا سر تو کھوسکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہوسکا

خلاصہ یہ کہ مقصود کے لیے ہمت اور سعی کو صرف کردینا ہی بڑی کامیابی ہے تو

(۱) ''مجھ کو یہی کافی ہے اگرچہ میرے پاس کھوٹی پونجی ہے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں ہوں یہی مجھ کو کافی ہے کہ میرے محبوب کو علم ہوجائے کہ میں بھی اس کے خریداروں میں سے ہوں'' (۲) ''اپنا کام کرو دوسرے کے کام کی فکر میں نہ پڑو''۔

میں کہتا ہوں کہ جو احکام آپ کو دشوار معلوم ہوتے ہیں ان کے بجالانے میں آپ کو ہمت تو کرنا چاہئیے اگر اس کے بعد بھی آپ کامیاب نہ ہوں تو آپ پر ملامت نہ ہوگی۔

صاحبو! دنیا کے کاموں میں آپ کا یہی طرز عمل ہے کہ ہمت وسعی کا صرف کردینا ہی بڑی کامیابی شمار ہوتی ہے دیکھئے بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی کا کوئی عزیز بیمار ہوا اور طبیب کے کہنے سے اس کی صحت سے مایوسی ہوگئی لیکن باوجود اس مایوسی کے کیا آپ نے کبھی علاج معالجہ کو ترک کیا ہے کبھی نہیں گو بعضے بخیل ایسے بھی ہیں چنانچہ ہمارے قصبہ میں ایک شخص بیمار ہوئے ان کے سالے صاحب ان کے مال پر قابض ہونے والے تھے اس لیے ان کا معالجہ نہ کرتے تھے کہ ان کا جلدی خاتمہ ہو تو ہم رئیس بنیں۔

مگر ایسی نظیریں بہت کم ہیں اور جو ایسے ہیں بھی ان کو سب برا بھلا بھی کہتے ہیں عام دستور یہی ہے کہ باوجود مایوسی کے بھی سعی (۱) کو موقوف نہیں کیا جاتا، آپ خود غور کرلیں کہ ایسے وقت طبیعت نے یہ کبھی گوارا نہ کیا ہوگا کہ کچھ نہ کرو بلکہ جی میں یہ آیا ہوگا کہ علاج معالجہ سے اس کے تندرست ہونے کی امید نہیں مگر کچھ نہ کرنے سے بعد میں ارمان آئے گا کہ شاید ہم ایسا کرتے تو اچھا ہو ہی جانا اور علاج میں پوری سختی کرنے کے بعد یہ ارمان نہ رہے گا تو جب دوسروں کے لیے باوجود مقصود سے مایوسی کے آپ محض اس لیے سعی کرتے ہیں کہ دل میں ارمان نہ رہے تو کیا اپنے واسطے آپ کو اتنا بھی نہ کرنا چاہیئے تو چلئے میں آپ کے کہنے کو تسلیم کئے لیتا ہوں کہ بعض احکام پر عمل میں کامیابی نہیں ہوسکتی مگر آپ محض ارمان نکلنے کے واسطے ہی ان پر عمل کرنے کی ہمت کرلیجئے ان شاء اللہ ہمت کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ سب باتیں آسان ہیں کیونکہ اس وقت آپ کو خدا تعالیٰ کی امداد کھلی آنکھوں نظر آئے گی وہ قدم قدم پر آپ کا ساتھ دیں گے۔

ہمت کے بعد نصرت خداوندی کا کھلی آنکھوں مشاہدہ

اسی پر مجھے اپنا وہ قصہ یاد آیا تھا کہ اس وقت جو مجھ میں ہمت کا ایک چھوٹا سا

(۱) کوشش ترک نہیں کرتے۔

شبہ پیدا ہوا کہ میرے دل میں یہ اضطراب ہوا کہ اس وقت میرے واسطے ایک امر خلاف شریعت کیا جائے گا اور بابو ہندو ہے اس سے شرعی مسئلہ بیان کرنا بے کار ہے اس لیے میں نے حق تعالیٰ سے دعا کی اس ہمت کا یہ اثر ہوا کہ حق تعالیٰ نے فوراً امداد فرمائی اور اس ہندو کے منہ سے یہ بات نکلوادی کہ سرکاری تیل نہ جلانا۔ تو صاحبو! کوئی عمل کر کے دیکھو اور یہ قصہ میں نے اس پر کہا تھا کہ شاید لوگوں کو ان بزرگ کے واقعہ پر جنہوں نے اپنے دوست کے مرتے ہی چراغ گل کر دیا تھا یہ خیال ہوا ہو کہ ایسا تقویٰ کس سے ہوسکتا ہے یہ تو بہت مشکل ہے میں نے اس کا جواب دیا تھا کہ یہ مشکل، عمل سے پہلے ہی ہے عمل کے بعد سب آسان ہوجاتا ہے۔

بہر کارے کہ ہمت بستہ گردو اگر خارے بود گلدستہ گرد(۱)

اموال میت میں سلف کی احتیاط

غرض اموال میت میں سلف نے بڑی احتیاط کی ہے جب ایک پیسہ کے تیل میں اتنی احتیاط کی گئی تو یہ چادر کفن کے اوپر ڈالنا اور وہ بھی رسم کے طور پر ڈالنا ترکہ میں سے کیونکر جائز ہوگی۔ (بس یا تو ان کو موقوف کرو یا سب ورثا سے اجازت لے کر ڈالو ہے کہ وہ بھی کفن سے خارج ہے وہ بھی ترکہ میں سے نہ ہونی چاہئے۔

آج کل ترکہ میں سخت بے احتیاطی

ان رسوم کا ایک نتیجہ تو یہ ہوا کہ ان سے اموال میت میں بہت بے احتیاطی ہوجاتی ہے جس کا گناہ بہت سخت ہے اور تفاخر کا گناہ الگ رہا جو ان سب کا منشا ہے۔ ایک برا نتیجہ ان کا یہ بھی ہوا جو قوم کو بھگتنا پڑا کہ جن لوگوں کو یہ کفن کی چادر اور جانماز دی جاتی ہے اور جن کو تیجہ دسویں کا کھانا کھلایا جاتا ہے ان کی ہمت پست ہوگئی اور بشرطیکہ ان میں کوئی نابالغ نہ ہو یا اپنے پاس سے ڈالو ۲) اور یہی حکم جنازہ کی جانماز کا ان میں ذلت اور دنائت (۲) پیدا ہوگئی، یعنی ان کا یہی پیشہ ہوگیا کہ وہ دن رات اسی

(۱) ''جس کام کے لیے ہمت باندھ لی جائے اگر کانٹا بھی ہو گلدستہ ہوجائے گا'' (۲) پست ہمتی۔

خیال میں رہتے ہیں کہ دیکھئے آج کون مرتا ہے جو ہمیں کھانا کپڑا ملے۔ ان رسوم کا قدم نامبارک ونامسعود ایسا آیا جس نے دینے والوں کا بھی پٹڑا(۱) کردیا اور لینے والوں کو بھی تباہ کردیا۔ دینے والوں کا ضرر تو اوپر معلوم ہوچکا ہے، لینے والوں کا یہ ضرر ہوا کہ وہ بالکل کم حوصلہ پست ہمت ہوگئے۔ اب یہ لوگ بجائے اس کے کہ کسی کے اچھے ہونے سے خوش ہوں مرنے سے خوش ہوتے ہیں۔ جیسے ایک طبیب نے مجھ سے دعا کی درخواست کی تھی کہ دعا کردیجئے میرا کام چل جائے۔ میں نے کہا بھائی تمہارے کام چلنے کی دعا کروں تو مخلوق کے واسطے بددعا کروں کہ لوگ خوب بیمار ہوں تاکہ تمہاری پوچھ ہو وہ کہنے لگے کہ بیماروں سے تو دنیا کبھی خالی نہیں رہتی میرا کام چلنے کے لیے وبا پھیلنے کی ضرورت نہیں بلکہ یہ دعا کردیجئے کہ لوگوں کو میری طرف توجہ ہوجائے۔ میں نے کہا بہت اچھا دعا کروں گا۔ خیر یہ تو ایک لطیفہ تھا مگر میں کہتا ہوں کہ جن کا یہی پیشہ ہے مردہ کی چادر لینا جانماز لینا تیجہ دسویں کی دعوت کھانا ان کی تو یہ حالت ہے کہ جب کوئی مؤذن سے کہتا ہے کہ میاں جی فلانا بیمار ہے اس کے اچھے ہونے کی نمازیوں سے دعا کرانا تو وہ ظاہر میں تو کہہ دیتا ہے کہ ہاں دعا کراؤں گا مگر دل میں خدا جانے کیا کہتا ہوگا۔

قوم چارج کا حال

ہمارے یہاں ایک قوم چارج ہے وہ ہندوؤں کے مردے اٹھایا کرتے ہیں ایک دفعہ طاعون کے زمانہ میں ہمارے ایک ملازم نے اس قوم کے ایک آدمی سے پوچھا کہ کہو جی آج کل کیا حالت ہے، کہا خوب موج آرہی ہے۔ دنیا تو تباہ ہورہی تھی مگر اس کمبخت کے یہاں موج آرہی تھی۔ اسی قوم کے ایک شخص کا قصہ ہے اس سے کسی نے اپنا قرض مانگا اس نے وعدہ کیا کہ پرسوں ادا کردوں گا۔ اس نے پوچھا کہ پرسوں کو تیرے پاس روپیہ کہاں سے آجائے گا تو کہنے لگا کہ فلانا مہاجن سخت بیمار ہے، بس آج ہی کل کا مہمان ہے، پرسوں تک تو ضرور مرجائے گا اس وقت میری آمدنی ہوگی تجھے لاکر روپیہ دے دوں گا تو بھلا ایسا شخص جو کسی کے مرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہو وہ اس کے اچھے ہونے کی کیا خاک دعا کرے گا۔ مردوں کا مال کھا کھا کر ان لوگوں کی طبیعتیں

(۱) جس نے دینے والوں کو بھی تباہ کردیا۔

بے حس اور لالچی ہوگئی ہیں۔ اسی لیے تو مولویوں کو یہ مسجد کے مؤذن وغیرہ برا بھلا کہتے ہیں کیونکہ مولوی رسموں سے منع کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ہماری روزی ماردی حالانکہ مولوی دینے دلانے اور ثواب پہنچانے سے نہیں روکتے بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ ایصال ثواب کے لیے جمعرات کی تخصیص نہ کرو بلکہ بدھ کو بھی دو اور تیجہ دسویں کی تخصیص نہ کرو بلکہ جب ہمت ہو کھلا دو۔ (اب یہ لوگوں کا قصور ہے کہ انہوں نے تخصیص کو چھوڑ کر ایصال ثواب ہی کو بند کر دیا ۱۲)

ان لوگوں کی یہاں تک نیت بگڑ جاتی ہے کہ کیرانہ کا قصہ ہے کہ وہاں ایک مردہ کی چادر تکیہ دار کے سوا کسی دوسرے کو دینے لگے تکیہ دار نے کہا یہ تو میرا حق ہے لوگوں نے کہا ہاں بھائی حق تو تمہارا ہی ہے مگر اب کے تم ان کو لینے دو تم تو ہمیشہ ہی لیتے ہو تو وہ بے ساختہ کہتا ہے کہ واہ جی خدا خدا کر کے تو یہ دن آتا ہے اسی میں دوسرے کو میں اپنا حق دے دوں لوگوں نے اس کو برا بھلا کہا کہ کمبخت تو اس دن کی تمنا میں رہتا ہے کہ کوئی مرے تو مجھے چادرہ ملے وہ عذر و معذرت کرنے لگا مگر جو بات دل میں تھی وہ بے ساختہ اس کے منہ سے نکل ہی گئی میں کہتا ہوں کہ اس میں اس کی خطا نہیں بلکہ خطا ان کی ہے جنہوں نے اس کو حریص بنایا لوگوں کو چاہیئے کہ اماموں اور مؤذنوں کی معقول تنخواہیں مقرر کیا کریں اور ان کو عزت کے ساتھ رکھا کریں تا کہ مردوں کے کپڑے کھانے کا ان کو انتظار نہ رہے (بلکہ مردوں کے ثواب کا کھانا کپڑا کسی خاص جماعت کے لیے مخصوص نہ کرنا چاہیے بس کیف ما اتفق جو غریب سامنے آجائے اس کو دے دیا جائے۔ اس طرح کسی کو اس موقعہ کا انتظار نہ ہوگا۔ افسوس یہ ہے کہ عوام نے علماء کو بھی ملانوں میں داخل کر لیا ہے اور وہ ان کو بھی مسجدوں کے ملانوں کی طرح پست ہمت اور لالچی حریص سمجھتے ہیں۔ صاحبو! واللہ آپ نے علماء کو دیکھا نہیں ہے۔ کیونکہ آپ کو دین کی ضرورت نہیں رہی اور ان کو آپ کی دنیا کی ضرورت نہیں پھر ملاقات کیسے ہو۔ بس آپ نے مسجدوں کے ملانوں کو دیکھ لیا ہے، چند سیاح(۱) واعظوں کو دیکھ لیا ہے جن کو

(۱) چلتے پھرتے۔

اپنی روٹیوں سے کام ہے اور آپ نے انہی کو علماء سمجھ لیا حقیقی علماء کو انہی پر قیاس کرلیا۔ یاد رکھو جو سچ مچ عالم ہے وہ تمہارے در پر روٹیوں کے واسطے کبھی نہ آئے گا (اور ویسے بھی کسی کے کام کے لیے بے بلائے نہ آئے گا ہاں محض اصلاح اور تبلیغ کے لیے بے بلائے آسکتا ہے مگر اس صورت میں وہ آپ سے روٹی نہ مانگے گا ۱۲)

علمی کمال کا خاصہ

دیکھئے میں ایک موٹی سی بات کہتا ہوں کہ علم ایک کمال ہے اور ہر کمال کا خاصہ ہے کہ اس سے غیرت واستغنا(۱) کی شان پیدا ہوتی ہے چنانچہ بڑھئی اور معمار کو ایک ادنیٰ سا کمال حاصل ہے گو ان کا کمال خسیس (۲) درجہ میں ہے لیکن وہ بھی کچھ غیرت اور استغناء رکھتے ہیں وہ کبھی خیرات کا مال نہ لیں گے نہ مردوں کی چادر اور جانماز پر نظر کریں گے ان کی غیرت ہرگز اس کو گوارا نہ کرے گی تو کیوں صاحب کیا علمی کمال میں جو سب سے اعلیٰ کمال ہے کچھ غیرت نہ ہوگی ضرور ہوگی بلکہ تمام اہل کمال سے زیادہ ہوگی یہ ایک ایسی موٹی بات ہے جس کو ادنیٰ سمجھنے والا بھی سمجھ سکتا ہے بس خوب سمجھ لو کہ علمی کمال جس میں ہوگا وہ ایسے ذلیل کام کبھی نہ کرے گا اس کی تو یہ حالت ہوگی کہ اگر وہ صاحب احتیاج بھی ہو تب بھی سوال پر اپنی غیرت وعزت کو ترجیح دے گا اور ہرگز کسی سے اپنی احتیاج ظاہر نہ کرے گا۔ اہل کمال فقر وفاقہ کی حالت میں بھی مستغنی (۳) رہا کرتے ہیں۔

شرافت خاندانی کا کمال

چنانچہ ایران کا ایک شہزادہ کسی پریشانی میں مبتلا ہوکر ہندوستان میں آگیا۔ اتفاق سے لکھنؤ میں وارد ہوا وہاں اتفاق سے علاقہ پنجاب کے ایک نواب بھی وارد تھے۔ شہزادہ نے ان کی دعوت کی انہوں نے مکافات کی نیت سے کہا کہ آپ بھی کبھی میری ریاست میں ضرور آویں اتفاق سے ان اطراف میں بھی اس کا جانا ہوگیا مگر ایسی حالت میں کہ کچھ نہ رہا تھا وہ دعوت یاد آئی اور اسی ریاست کی طرف رخ کیا اور باحال خستہ ایک ٹٹو پر سوار وہاں پہنچا نواب صاحب

(۱) بے نیازی (۲) گھٹیا درجہ کا ہے (۳) بے نیاز۔

نے شہزادہ کو اس حال سے آتا ہوا دیکھ کر براہ تاسف یہ شعر پڑھا

آنکہ شیراں را کند روبہ مزاج احتیاج ست احتیاج است احتیاج(۱)

شہزادہ آگ بگولہ ہو گیا اور فی البدیہہ جواب دیا۔

شیر نر کے میشود روبہ مزاج می زند برکفش خود صد احتیاج(۲)

اور فوراً لوٹ گیا۔ رئیس نے ہر چند معذرت کی مگر ہرگز نہ ٹھہرا اور کہا تم اس قابل نہیں ہو کہ کوئی شریف آدمی تمہارے یہاں آئے۔ تو حضرت غیرت وہ چیز ہے کہ شریف آدمی مرنا گوارا کرتا ہے مگر احتیاج کسی کے سامنے پیش نہیں کرتا۔ اس شہزادہ میں صرف شرافت خاندانی کا کمال تھا اس کا یہ اثر تھا کہ اس میں اس درجہ غیرت تھی، تو جن میں علمی کمال ہوگا ان کی غیرت کو سمجھ لینا چاہیئے کہ کس درجہ ہوگی۔

ائمہ مساجد کی خستہ حالی

پس علماء کو ملانوں کے عموم میں داخل کرنا زیبا نہیں۔ ہاں جن کا یہ پیشہ ہے وہ البتہ اس کے مصداق ہیں مگر ان کی طرف سے بھی کہتا ہوں کہ ان کی زیادہ خطا نہیں ہے بلکہ قوم کی بھی اس میں کچھ خطا ہے مثلاً دیکھئے امام کا اصل رتبہ کیا ہے وہ حقیقت میں سب نمازیوں کی طرف سے باری تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض معروض کرنے کے لیے نائب ہے سو چاہئے تھا کہ اس کام کے لیے ایسے شخص کو تجویز کیا جاتا جو علم وفضل وعزت میں سب سے بڑھا ہوا ہوتا اور اس کی تعظیم وتکریم سب سے زیادہ کرتے اور اس کی خدمت ایسی معقول کرتے جس سے وہ بے فکری کے ساتھ گزر کر لیتا مگر اب اس خدمت کے لیے اس شخص کو تجویز کیا جاتا ہے جو اندھا ہوا پاپج ہو۔ اور تنخواہ اتنی دی جاتی ہے کہ جس میں ایک آدمی کا بھی گزر نہ ہو سکے اور کام اتنا لیا جاتا ہے کہ امام صاحب کے ذمہ امامت کے علاوہ یہ کام بھی ہے کہ مسجد کی ہر چیز کی حفاظت کریں، صفائی کریں، روشنی کریں، اور جو کوئی مرجاوے تو تین رات تک اس کی قبر پر سویا کریں اور دن میں قرآن پڑھ کر بخشا کریں اور محلّہ والوں کا گوشت ترکاری بھی لا دیا کریں اور پانی کے گھڑے بھی بھرا کریں۔ غرض سارا

(۱) ''جو چیز شیروں کو لومڑی مزاج بنا دیتی ہے وہ احتیاج ہے'' (۲) ''بہادر شیر کب لومڑی مزاج ہو سکتا ہے سینکڑوں احتیاج کو اپنے جوتے پر مارتا ہے''۔

کام امام صاحب کے ذمہ ہوتا ہے البتہ اگر کوئی تنخواہ دار امام نہ ہو بلکہ متوکل ہو تو وہ تو شاہی ملازم ہے وہ شاہی تعلق کی وجہ سے معزز ہوگا مگر اس میں آپ کا کیا دخل ہے میں تو اس کو دکھلانا چاہتا ہوں کہ جن اماموں کو آپ تنخواہ پر مقرر کرتے ہیں ان کی آپ کیا گت بناتے ہیں۔

افسوس اگر انگریزی کا ماسٹر رکھا جائے تو اس کے لیے تو کم از کم چالیس پچاس روپے تجویز کئے جاتے ہیں اور قرآن پڑھانے کے لیے کسی کو رکھا جائے تو اس کے لیے روپیہ آٹھ آنہ ماہوار تجویز ہوتا ہے مگر خیر سے وہ معلم بھی روپے آٹھ آنے ہی کے ہوتے ہیں چنانچہ ایسے ہی ایک میاں جی من الجنة والناس کو من الجنات والنس پڑھتے تھے حالانکہ قرآن غلط پڑھنے پر سخت وعید ہے میرا یہ مطلب نہیں کہ وعید کے خوف سے قرآن پڑھنا ہی چھوڑ دو بلکہ یہ مطلب ہے کہ درست کر کے پڑھنا روپیہ آٹھ آنہ کے معلموں سے نہیں آسکتا بلکہ اس کے لیے کسی مجود اور قاری کو تجویز کرنا چاہئے۔ اور ایسا شخص تو کچھ رقم خرچ کرنے سے ہی ملے گا اور جو لوگ انگریزی ماسٹروں کو معقول تنخواہیں دے سکتے ہیں وہ مجود اور قاری کی تنخواہ بھی ضرور دے سکتے ہیں اس لیے عدم وسعت کا عذر ہر جگہ نہیں چل سکتا۔

دین سے بے پروائی

مگر آج کل دین سے ایسی بے پروائی ہے کہ امام ہمیشہ ایسا ڈھونڈا جاتا ہے جو سستا ہو چاہے وہ سب کی نمازیں غارت (۱) کرتا ہو کیونکہ یہ جاہل میاں جی بعض جگہ ایسی غلطیاں کر جاتے ہیں جن سے نماز باطل ہو جاتی ہے اور تجوید کی غلطیاں تو بکثرت ہوتی ہیں اور تجوید کی یہاں تک ضرورت ہے کہ بعض دفعہ اس کی مخالفت سے عربیت جاتی رہتی ہے اور جب لفظ عربیت ہی سے نکل گیا تو قرآن ہی نہ رہا جب نماز میں قرآن نہ پڑھا گیا تو نماز کیسے صحیح ہوئی شاید آپ کو یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہو کہ تجوید کے نہ ہونے سے عربیت نہیں رہتی مگر میں دلیل سے اس کو ثابت کرتا ہوں سب کو معلوم ہے کہ عربی فارسی اردو جدا جدا زبانیں ہیں اور ہر ایک کے خواص الگ الگ ہیں پس جس طرح کسی لفظ کے فارسی یا اردو ہونے کے لیے تلفظ کی صحت شرط ہے اسی طرح لفظ کے عربی ہونے کے لیے بھی تلفظ کا صحیح ہونا شرط ہے

(۱) خراب کرتا ہو۔

(مثلاً آپ ایک کپڑے کو گاڑھا کہتے ہیں اس میں ڑے کا ہونا اور ہائے مخفی کا ہونا ضروری ہے اگر کوئی شخص اس کے بجائے گارا کہے تو آپ اس کو غلط کہیں گے کیونکہ گارا تو مٹی کا ہوا کرتا ہے کپڑے کی کوئی قسم گارا نہیں ہے۔ اسی طرح سمجھئے کہ عربی میں جو لفظ ثا سے مرکب ہے وہاں سین یا صاد پڑھ دینے سے یا حاء کی جگہ ہا پڑھنے سے تلفظ غلط اور معنی بدل جائیں گے اس سے تو صحت الفاظ کی ضرورت معلوم ہوئی ۱۲)

تجوید کی ضرورت واہمیت

اب صفات کی بابت میں کہتا ہوں کہ اردو میں ایک لفظ پنکھا ہے جس میں نون کو اخفاء کے ساتھ بولا جاتا ہے۔ اسی طرح رنگ اور سنگ اور جنگ میں جو فارسی الفاظ ہیں نون کو ظاہر کر کے نہیں پڑھا جاتا۔ اب اگر کوئی شخص پنکھا کو باظہار نون پن کھا یا رنگ کو رن گ کہے تو آپ کہیں گے کہ یہ اردو فارسی نہیں رہی مہمل لفظ ہو گیا لیکن اس کہنے سے آپ بندھ گئے اس طرح کہ جب اس لفظ میں اظہار نون سے آپ نے اس کا غلط ہونا اور اردو زبان سے نکل جانا مان لیا تو جن لفظوں میں عربی زبان میں اخفاء ہے وہاں بھی ماننا پڑے گا کہ اظہار نون سے وہ لفظ عربی نہیں رہتا تو کیا اب بھی تجوید کی ضرورت میں کسی کو کلام ہوسکتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ تجوید کا سیکھنا فرض ہے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے جس کا عربی میں پڑھنا فرض ہے اور عربیت کے موافق صحیح تلفظ بدوں تجوید کے نہیں آسکتا تو تجوید کا سیکھنا فرض ہوا۔ صاحبو! چاہے آپ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے ادھر متوجہ نہ ہوں مگر تجوید کی فی نفسہ بہت ضرورت ہے اور افسوس یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس طرف اس لیے توجہ نہیں کہ اس میں دنیا کا بظاہر کوئی نفع نہیں۔ اگر آج ملازمت کے لیے یہ قانون ہو جائے کہ جس کا قرآن باقاعدہ صحیح ہوگا اس کو ملازمت دی جائے گی تو آج یہ سارے بی۔ اے قاری ہو جاویں۔ ہم لوگ متاع دنیا کے لیے سب کچھ کر لیتے ہیں۔ اس لیے یہ سارے عذر جو بیان کئے جاتے ہیں محض بہانے ہیں اور تجوید کی ضرورت تو بھلا کیا ہی مانی جاوے گی۔ آج کل تو بہت سے لوگ خود قرآن پڑھانے ہی کو فضول سمجھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جب معنی نہ سمجھے تو محض الفاظ پڑھنے سے کیا فائدہ۔ میں کہتا ہوں کہ بہت لوگ اقلیدس میں امتحان دیتے ہیں حالانکہ سمجھتے خاک بھی

نہیں مگر امتحان دینے کے لیے الفاظ کو رٹ لیتے ہیں اور پرچے صحیح لکھ کر پاس ہوجاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعض دفعہ نرے الفاظ کا یاد ہونا بھی کام آجاتا ہے جیسے یہاں اقلیدس کے الفاظ رٹ لینے سے ملازمت مل جاتی ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ یاد کر لینے سے جنت کے درجے ملتے ہیں تو بے کار کیونکر ہوئے مگر دنیا کی وقعت ہے اس لیے اقلیدس کے الفاظ رٹنے کو بے کار نہیں سمجھا جاتا اور دین کی وقعت نہ ہونے ہی کا یہ اثر ہے کہ معلموں اور مؤذنوں کی تنخواہ بھی کم تجویز کی جاتی ہے مگر یاد رکھئے وہ آپ کو قرآن کا علم بھی ایسا ہی دیں گے جیسی آپ تنخواہ دیں گے۔

ارزاں بعلت گراں بحکمت (۱)

اور زیادہ تنخواہ دینے میں بھی وہ قرآن کے دام نہ ہوں گے بلکہ یہ تو ان معلموں کے عمل کے دام ہیں ورنہ قرآن کے دام کون دے سکتا ہے۔ قرآن کی تو یہ شان ہے۔

قیمت خود ہر دو عالم گفتہ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز (۲)

قرآن کی قیمت تو دو جہان بھی نہیں ہوسکتے اور کیوں نہ ہو قرآن ہے کیا چیز

چیست قرآن اے کلام حق شناس رونمائے رب ناس آمد بہ ناس (۳)

وہ بندوں کو خدا تعالیٰ کا جمال دکھانے والا ہے یہ تو الفاظ کا رتبہ ہے اور معانی کا رتبہ یہ ہے۔

حرف حرفش راست در برمعنے معنے در معنے در معنے (۴)

قرآن مجید کی شان

قرآن مجید وہ چیز ہے کہ جب کوئی مسلمان اس کی تلاوت کرتا ہے تو خداوند عالم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور یہ بھی خداوند عالم کی طرف متوجہ ہوتا ہے دنیا میں اتنا ہی مشاہدہ بس ہے کیونکہ اس سے زیادہ کا تحمل نہیں ہے اس کی ایسی مثال ہے جیسے آدمی کے آفتاب پر نظر کرنے سے تو نظر چکا چوند ہوجاتی ہے مگر اس کی شعاعوں کو دیکھ سکتا ہے اسی طرح ذات حق تعالیٰ کو تو ہم دنیا میں بوجہ ضعف قوی کے نہیں دیکھ سکتے۔ ہاں اس

(۱) ''ارزاں کی علت ہے اور گراں حکمت سے ہوتا ہے'' (۲) ''اپنی قیمت دونوں جہان بتلائی ہے۔ نرخ بڑھاؤ ابھی ارزانی ہے'' (۳) ''اے کلام حق کو پہچاننے والے قرآن پاک کیا ہے وہ لوگوں کے رب کی طرف سے رب کا رونما ہے'' (۴) ''اس کا حرف حرف معنی میں درست ہے، معنی در معنی اندر معنی کے ہے''۔

الٰہی ہے جس کی تلاوت سے انوار وتجلیات صفات کا مشاہدہ ہوتا ہے اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیا میں حق تعالیٰ غائب ہیں اور وہ خود نظر نہیں آسکتے بلکہ حق تعالیٰ یہاں بھی ہم سے قریب ہیں اور نظر آسکتے ان کی طرف سے کوئی مانع نہیں ہے مانع ہماری طرف سے ہے کہ ہم میں یہاں دیکھنے کی طاقت نہیں ہے اسی واسطے حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے لن ترانی (مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتا) فرمایا لن ارئ (میں ہرگز دیکھا نہیں جاتا) نہیں فرمایا چنانچہ جتنے مشاہدہ کی ہم میں یہاں طاقت ہے وہ قرآن کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے جب قرآن مجید کی یہ شان ہے تو اس کی کیا قیمت ہوسکتی ہے اور معلموں کو جو کچھ دیا جاتا ہے یہ خود ان کی محنت کی قیمت ہے قرآن کی قیمت نہیں ہے مگر یہ ضرور ہے کہ اگر ہمارے اندر دین کی عظمت ووقعت ہوتی تو حاملان قرآن کی مشقت کی قیمت بھی بڑی ہی تجویز کرتے لیکن ہم نے دین کی بے وقعتی کر رکھی ہے اس کے معلموں اور مؤذنوں اور اماموں کی یہ بے قدری کر رکھی ہے کہ ان کی تنخواہیں بہت قلیل مقرر کی جاتی ہیں اور مردوں کے کھانے کپڑے سے ان کی امداد کرتے ہیں ان کے واسطے کفن کی چادر اور جانماز اور تیجہ دسویں کا کھانا مقرر کرلیا ہے اس لیے ان کی نیتیں بگڑ گئیں لالچ اور حرص پیدا ہوگئی اب وہ کسی کے اچھا ہونے سے اتنا خوش نہیں ہوتے جتنا کسی کے مرنے سے خوش ہوتے ہیں گو زبان سے وہ کسی کو نہ کوستے ہوں مگر دل سے ضرور تمنا کرتے ہوں گے کہ کوئی مرے تو ہماری آمدنی ہو پس اس میں جس طرح ان کا قصور ہے خود قوم کا بھی قصور ہے کہ ان کو ایسا تنگ کیوں رکھا جس سے ان کی نیت بگڑ گئی۔ پس دیکھ لیجئے کہ ان رسموں سے دینے والوں کو بھی ضرر پہنچا اور لینے والوں کو بھی نقصان پہنچ اور دونوں کو یہ ضرر اس لیے پہنچا کہ یہ طریقہ غیر مشروع تھا اور محض تفاخر کے لیے تھا خلاف شریعت کاموں میں ظلمت ضرور ہوتی ہے گناہ کے علاوہ ان سے دنیا کا بھی نقصان ہوتا ہے۔ یہ ساری گفتگو اس پر چلی تھی کہ آج کل لوگوں نے موت کو بھی آلہ فخر بنا رکھا ہے یہ تو اوپر والوں کا حال تھا غضب یہ ہے کہ بعض دفعہ خود مرنے والا بھی فخر ومباہات کی وصیت کرتا اور یہ فرمائش کرتا ہے کہ ہماری قبر ایسی پختہ ہو جو کبھی شکستہ نہ ہوسکے شاید اس سے یہ مقصود ہو کہ قیامت میں بھی یہ قبر محفوظ رہے اور وہ حساب کتاب سے بچا رہے مگر قیامت میں تو پہاڑ بھی اڑ جائیں گے بے چاری قبر کی تو کیا ہستی ہے اس روز تو ہر شخص خود ہی گھبرا کر نکل آئے گا۔

قبروں کی پختگی پر فخر قابل افسوس ہے

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے، ناگہ ایک رئیس زادے اور غریب زادے میں گفتگو ہوئی رئیس زادے نے کہا کہ دیکھو ہمارے باپ کی قبر کیسی عمدہ اور مضبوط ہے جس پر شان وشوکت برستی ہے اور تمہارے باپ کی قبر کچی اور شکستہ ہے جس پر بے کسی برستی ہے۔ غریب زادہ نے کہا بے شک یہ فرق تو ہے لیکن قیامت کے دن میرا باپ تو قبر میں سے آسانی سے نکل آئے گا اور تمہارا باپ پتھر ہی ہٹانے میں رہے گا وہ اتنی چٹانوں اور پتھروں کو ہی ہٹاتا رہے گا میرا باپ جنت میں جا پہنچے گا کچھ ٹھکانا ہے اس تفاخر کا کہ قبروں کی پختگی پر بھی فخر کیا جاتا ہے۔ اسی کو توحق تعالیٰ نے فرمایا اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝۱ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝۲(۱) کے یا تو معنی ہیں کہ تم اس تفاخر ہی کی حالت میں قبروں میں پہنچ گئے یعنی مر گئے یا یہ کہ تم تفاخر کے لیے قبروں کو دیکھنے گئے۔ جاہلیت میں عرب کی عجیب حالت تھی بعض دفعہ جب دو قبیلے باہم فخر کرتے ایک کہتا کہ ہماری قوم زیادہ ہے دوسرا کہتا کہ ہمارا جتھا زیادہ ہے اور اس کے بعد مردم شماری ہوتی اور ان میں سے کوئی ایک قبیلہ شمار میں کم ہوجاتا تو وہ کہتا کہ ہمارے آدمی لڑائی میں زیادہ کام آئے ہیں اس لیے ہم کم ہوگئے ورنہ ہماری شمار زیادہ تھی دوسرا قبیلہ کہتا کہ یہ بھی غلط ہے تمہارے مردے ہمارے مردوں سے زیادہ نہیں ہیں اس کے فیصلے کے لیے قبریں شمار کی جاتی تھیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ تو کفار کی حالت تھی مگر افسوس آج کل مسلمانوں میں بھی یہ مرض پیدا ہوگیا ہے تو وہ قبروں کو شمار تو نہیں کرتے مگر ان کی پختگی اور خوبصورتی پر فخر کرتے ہیں چنانچہ اس لیے بعض لوگ خود اپنی قبر کے پختہ کرنے کی وصیت کر جاتے ہیں۔ اس تفاخر ہی کی وجہ سے یہ تمام تکلفات پیدا ہوئے ہیں کہیں زیادہ روشنی کا اہتمام کیا جاتا ہے کہیں جھاڑ فانوس اور قندیل لٹکائے جاتے ہیں۔

(۱) ''اے لوگو تم کو تفاخر نے غافل کر دیا یہاں تک کہ تم قبرستانوں میں پہنچ گئے'' سورۃ التکاثر: ۱۔۲۔

اسلاف کی سادگی

مسلمانو! ان تکلفات کو چھوڑو اور اپنے سلف کی طرح سادگی اختیار کرو۔ ہمارے سلف کی زندگی ایسی سادہ تھی کہ جب حضرت عمر فاروقؓ بیت المقدس تشریف لے گئے ہیں تو پہلی سادگی تو یہ تھی کہ آپ کے ساتھ کوئی لاؤلشکر نہ تھا بس ایک اونٹنی تھی اور ساتھ میں ایک غلام اور سواری کا طریقہ یہ تھا کہ کچھ دور تک آپ سوار ہوتے اور غلام مہار پکڑ کر چلتا تھا اور کچھ دور تک غلام سوار ہوتا تھا اور خلیفہ اپنے ہاتھ سے مہار پکڑ کر پیدل چلتے تھے کیا اس مساوات اور سادگی کی نظیر کوئی قوم دکھلاسکتی ہے ہرگز نہیں۔ اور دوسری سادگی یہ تھی کہ جب آپ بیت المقدس کے قریب اس شان سے پہنچے ہیں تو حضرت صحابہ وامراء لشکر استقبال کے لیے حاضر ہوئے اور سب نے عرض کیا کہ آپ غیر قوموں کے سامنے پیش ہونے والے ہیں مناسب یہ ہے کہ سفر کا لباس اتار کر کوئی عمدہ لباس پہن لیا جائے کیونکہ اس لباس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے اور پیوند بھی کہیں کپڑے کا تھا کہیں چمڑے کا۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ اس وقت اونٹنی کے بجائے گھوڑے پر سوار ہونا مناسب ہے۔

مسلمان کا بڑا کمال

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اول تو اس سے انکار کیا اور فرمایا نحن قوم اعزّنا اللّٰہ بالاسلام ہم وہ لوگ ہیں کہ خدا نے ہم کو اسلام سے عزت دی ہے۔ ہماری عزت لباس یا سواری سے نہیں ہے۔ یہاں سے ہم لوگوں کو اپنے خیالات کی اصلاح کرنا چاہیئے ہم نے عزت وشوکت کی حقیقت نہیں سمجھی ہم لباس کے عمدہ ہونے اور سواری کے قیمتی ہونے کو عزت وشوکت سمجھتے ہیں یہ بالکل غلط ہے بلکہ اصلی عزت کمال سے ہوتی ہے یہ کیا عزت ہے جو تھوڑی دیر میں اتر جائے کہ اتنے کپڑے بدن پر رہے معزز ہیں اور جہاں کپڑے اتار دیئے ذلیل ہوگئے عزت وہ ہے جو ہر دم انسان کے ساتھ رہے اور وہ کمال سے ہوتی ہے اور مسلمان کا بڑا کمال اسلام ہے آپ اسلام کامل حاصل کیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ بدوں کسی سامان کے معزز ہوجاؤ گے۔ دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لباس کیسا تھا مگر عزت وشوکت کی یہ حالت تھی کہ جب آپ مدینہ منورہ سے بیت المقدس

کو روانہ ہوئے ہیں تو تمام دنیا کے اندر زلزلہ پڑ گیا کہ خلیفہ اسلام پائے تخت سے شام کی طرف روانہ ہوئے ہیں ، تمام سلاطین کانپتے (کہ دیکھئے اب کس طرف کو لشکر روانہ فرماتے ہیں سب کو یہ بھی اندیشہ تھا کہ کہیں خود ہی لشکر کی کمان نہ کریں ۱۲)

حضرات صحابہؓ کی حالت

آخر یہ شوکت ورعب کس چیز کا تھا کیا لباس کا رعب تھا ہرگز نہیں، لباس کی کیفیت تو یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے طواف میں حضرت عمرؓ کو دیکھا اس وقت جو کرتہ آپ کے بدن پر تھا اس میں اکیس پیوند تھے۔ آج لوگ شکایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں افلاس زیادہ ہے اس لیے ذلیل ہورہے ہیں۔ مسلمانوں میں اس وقت افلاس کا ہونا سچ بھی ہے اور غلط بھی ۔ سچ تو اس معنی کے ہے کہ کفار سے ان کے پاس دولت کم ہے اور غلط اس لیے ہے کہ سلف کے اعتبار سے ان کے پاس دولت کم نہیں جس زمانہ میں مسلمانوں نے ترقی کی ہے اس وقت وہ آج کل کے مسلمانوں سے زیادہ صاحب افلاس تھے اگر افلاس ہی ذلت کا سبب ہے تو ان حضرات نے عین افلاس کی حالت میں کیونکر عزت وشوکت حاصل کرلی۔ خوب سمجھ لو کہ عزت لباس یا دولت سے نہیں ہے مسلمان کی عزت اسلام سے ہے پہلے مسلمان پورے مسلمان ہوتے تھے اس لیے معزز تھے اور ہم برائے نام مسلمان ہیں اس لیے ذلیل ہیں ورنہ آج کل کچھ پہلے سے زیادہ افلاس نہیں حضرات صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ حضرت عمرؓ جب ملک شام میں پہنچے تو حضرت ابوعبیدہؓ کے خیمہ میں اترے کیونکہ وہ عساکر اسلامیہ کے افسر تھے اور ان سے پوچھا کہ اے ابوعبیدہؓ تمہارے پاس کچھ کھانے کو بھی ہے انہوں نے روٹی کے سوکھے ٹکڑے سامنے رکھ دیئے اور پانی لاکر رکھ دیا۔ اس وقت حضرت سرمدؒ کا کلام یاد آ گیا فرماتے ہیں۔

منعم کہ کباب میخورد میگذرد در بادہ ناب میخورد میگذرد(۱)

یہ حال دیکھ حضرت عمرؓ رونے لگے اور فرمایا اے ابوعبیدہؓ اب تو اللہ تعالیٰ نے

(۱) ''منعم کہ کباب کھاتا ہے گزر جاتا ہے خالص شراب پیتا ہے گزر جاتا ہے سرمد پیالہ گدائی میں پانی میں سوکھی روٹی تر کرکے کھاتا ہے وہ گزر جاتا ہے''

مسلمانوں پر فتوحات سے وسعت کردی ہے پھر تم ملک شام میں ہو اب تم اتنی تنگی کیوں کرتے ہو انہوں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین دنیا تو محض زاد ہے۔ آخرت میں پہنچنے کے لیے جس کے لیے یہ بھی کافی ہے تو زیادہ کو لے کر کیا کریں گے۔

ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا

خود حضرت عمرؓ سے عرض کیا گیا تھا کہ اب فتوحات میں وسعت ہوگئی ہے آپ اتنی تنگی کیوں فرماتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہمارے بہت سے بھائی اس فقر کی حالت میں شہید ہوگئے انہوں نے خدا کے راستہ میں عمل زیادہ کیا اور دنیا سے تمتع حاصل نہیں کیا ان کا سارا ثواب آخرت میں ذخیرہ رہا اور ہم لوگوں نے فتوحات حاصل کر کے بہت کچھ مال و دولت حاصل کر لی ہے اور ہماری محنت کا کچھ ثمرہ یہاں مل گیا ہے۔ اب مجھے اس مال و دولت سے منتفع ہوتے ہوئے یہ ڈر لگتا ہے کہ قیامت میں کہیں یہ نہ کہہ دیا جائے أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ (۱)

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہ کا فقر

ان کے افلاس کا سبب یہ نہ تھا کہ ان کو کچھ ملتا نہ تھا حق تعالیٰ نے حضرات صحابہؓ کو بہت کچھ مال و دولت دیا تھا مگر وہ اپنے پاس رکھتے نہ تھے بلکہ غرباء کو دے دیتے تھے اور خود فقر کی حالت میں رہتے تھے تو کیا اس فقر سے کچھ ان کی عزت کم ہوگئی تھی خدا نے ان کو وہ عزت دی تھی کہ آج مسلمان اس کی تمنا کرتے ہیں پس فقر کو ذلت سمجھنا بڑی غلطی ہے یہ تو بڑی عزت کی چیز ہے اگر کمال کے ساتھ ہو۔ چنانچہ جب میں کانپور میں درس دیتا تھا عین حالت درس میں ایک شخص جامع مسجد میں آئے حالت یہ تھی

(۱) کہ تم نے حیات دنیا میں مزے اڑالئے ہیں اور طیبات سے تمتع حاصل کرلیا ہے اب یہاں (تمہارے واسطے کچھ نہیں بس) تم کو عذاب ذلت کی سزا دی جائے اس لیے کہ تم بڑا بننا چاہتے تھے اور یہاں سے معلوم ہوا کہ ہمارے سلف کا فقر اختیاری تھا اضطراری نہ تھا" سورۃ الاحقاف: ۲۰

لنگکے زیر و لنگکے بالا نے غم دزد و نے غم کالا(۱)

طالب علموں نے اول اول ان کو معمولی آدمی سمجھا اور حقارت سے دیکھا انہوں نے مسجد کی جانماز پر اعتراض کیا کہ یہ منقش کیوں ہے نماز کی جگہ نقش ونگار نہ ہونا چاہئیے اس سے نماز میں یکسوئی کامل نہیں ہوتی بار بار پھول بوٹوں پر نظر جاتی ہے طلبہ نے اس مسئلہ پر گفتگو کرنا شروع کردی تب معلوم ہوا کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں اب ان کی سادگی وضع اور خستہ لباس کی بھی قدر ہوئی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ اگر لباس معمولی ہو اور کمال زیادہ ہو تو اس کی قدر بڑھ جاتی ہے اور اگر کپڑے عمدہ ہیں اور لیاقت کچھ نہیں تو علی حزین کا سا قصہ ہوجاوے گا کہ اس کے پاس ایک شخص نہایت شان وتکلف کا لباس پہنے ہوئے آیا اس نے ادب سے اپنا پاؤں سمیٹ لیا اور نام پوچھا تو آپ نام بتلاتے ہیں ایسف (یوسف) علی حزین نے پاؤں بدستور پھیلا دیئے اور کہا بابا اگر تو ایسف ہستی پس چرا من پائے خود را کشم (اگر تو ایسف ہے تو پھر میں اپنا پاؤں کیوں سمیٹوں) میں نے ایسے لوگ دیکھے ہیں جو انگریزی بالکل نہ جانتے تھے اور وضع بالکل انگریزوں جیسی تھی ایسے لوگ اکثر ذلیل ہوجاتے ہیں جب کوئی شخص ان کو انگریزی داں سمجھ کر انگریزی کا خط یا تاران کے پاس لاتا ہے اور پڑھوانا چاہتا ہے تو اس وقت وہ بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ اب کیسے پڑھیں اور انکار کریں تو اپنی حماقت ظاہر ہوتی ہے اور جہالت کا اقرار ہوتا ہے۔ بعض دفعہ کوئی انگریز ان کو تعلیم یافتہ سمجھ کر انگریزی میں ان سے باتیں کرنے لگتا ہے اس وقت یہ لوگ بغلیں جھانکتے ہیں (۲)۔ ایک انگریز نے ایسے ہی ایک شخص کو بہت ٹھونکا جو وضع انگریزوں کی بنائے ہوئے تھا اور انگریزی بالکل نہ جانتا تھا، بات یہ ہے کہ ہر وضع کے لیے اس کی قابلیت بھی ضروری ہے۔

ناز را روئے بیاید ہمچو ورد چوں نہ داری گرد بد خوئی مگرد(۳)

(۱) ''ایک لنگی اوپر ایک لنگی نیچے، نہ اسباب کا غم نہ چور کا کھٹکا'' (۲) پریشان ہوتے ہیں (۳) ''ناز کے لیے گلاب جیسے چہرہ کی ضرورت ہے جب ایسا چہرہ نہیں رکھتے تو بدخوئی مت اختیار کرو''۔

انسانیت کی بات

اور انسانیت کی بات تو یہ ہے کہ آدمی انگریزی پڑھ کر بھی اپنی ہی وضع پر قائم رہے واللہ ایسے شخص کی زیادہ عزت ہوتی ہے مگر آج کل مسلمانوں کی ایسی حالت ہوگئی ہے کہ سب کے سب وضع اور فیشن کے پیچھے پڑ گئے ہیں اور اس کو سرمایہ عزت سمجھتے ہیں حالانکہ اس سے خاک بھی عزت نہیں ہوتی یہ لوگ خود ان کی نگاہوں میں بھی ذلیل ہوجاتے ہیں جن کی وضع اختیار کرتے ہیں اور اگر مان بھی لیا جائے کہ اس سے عزت ہوتی ہے تو یہ برائے نام عارضی عزت ہے اصلی عزت کمال اسلام سے ہے مسلمانوں کو اس کی کوشش کرنی چاہیئے میں یہ نہیں کہتا کہ تم ایسے خراب خستہ رہو کہ بدن پر چھیتڑے لگا لو نہیں لباس صحیح سالم پہنو مگر یہ کیا ضروری ہے کہ قیمتی بھی ہو وضع اور فیشن بھی ہو یہ سب تکلفات ہیں۔ دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صحابہؓ نے یہ رائے دی تھی کہ عمدہ کپڑے پہن لیجئے تا کہ ظاہری شان وشوکت بھی ہوجاوے تو انہوں نے اس سے صاف انکار فرمادیا کہ ہمارے لیے اسلامی عزت کافی ہے اور کسی عزت کی ضرورت نہیں شاید آپ یہ کہیں کہ حضرات صحابہؓ کی تو بات ہی اور ہے ان جیسا کون ہوسکتا ہے تو لیجئے میں آپ کو اسی زمانہ کی نظیر دکھاتا ہوں۔

حکایت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی

ابھی کا ذکر ہے کہ حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ زندہ تھے آپ کو جن لوگوں نے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ مولانا کی وضع کس درجہ سادہ تھی مگر اس سادگی ہی میں ان کی وہ عزت تھی کہ بڑے بڑے نواب اور رؤسا وزراء مولانا سے ملنے آتے تھے اور مولانا جس کو جو جی میں آیا کہہ ڈالتے تھے مگر ان کی باتوں سے برا کوئی نہ مانتا تھا بلکہ ان کی وہ غصہ کی باتیں بھی بھلی معلوم ہوتی تھیں جس کی وجہ وہی سادگی تھی ان کی طبیعت بالکل سادہ بچوں کی سی تھی اس لیے کسی کو کوئی بات ان کی ناگوار نہ ہوتی تھی جیسے بچوں کی حرکات ناگوار نہیں ہوتیں کیونکہ وہ بھی جو کچھ کرتے ہیں سادگی سے کرتے ہیں بناوٹ سے نہیں کرتے۔

ایک گالی دینے والی کی حکایت

تھانہ بھون میں ایک شخص گالیاں بہت دیا کرے تھے ایک تقریب کے موقعہ پر انہوں نے برادری کو جمع کرنا چاہا لوگوں نے جانے سے انکار کر دیا کہ یہ ہم کو گالیاں دیتا تھا ہم اس کے یہاں نہ جائیں گے۔ جب معلوم ہوا کہ برادری والے اس وجہ سے نہیں آتے تو انہوں نے معذرت کی کہ آئندہ ایسا نہ کروں گا۔ اب تو خطا معاف کرو لوگوں نے کہا کہ شاہ ولایت صاحب کے مزار پر چل کر عہد کرو وہ راضی ہو گئے اور عہد کو چلے وہاں جا کر کہتے ہیں کہ شاہ ولایت صاحب یہ برادری کے ایسے ویسے لوگ (گالی دے کر ۱۲) مجھ سے عہد کراتے ہیں کہ کسی کو گالی مت دینا میں آپ کے سامنے عہد کرتا ہوں کہ اب سے کسی ان ایسے ویسے لوگوں کو (گالی دے کر ۱۲) گالی نہ دوں گا سب لوگ ہنس پڑے کہ ظالم سے عہد کرتے ہوئے تو گالیاں چھوٹی نہیں آئندہ کیا چھوڑے گا یہ بے چارہ معذور ہے آخر برادری کے سب آدمی ان کے یہاں آ گئے اور پھر کسی نے ان کی گالی سے برا نہ مانا کیونکہ سمجھ گئے کہ یہ سادگی سے گالی دیتا ہے قصداً بناوٹ کر کے نہیں دیتا۔ اس حکایت سے میرا یہ مطلب نہیں کہ میں ان کے اس فعل کا اچھا ہونا ثابت کرتا ہوں۔

حکایت حضرت بایزید بسطامیؒ

بلکہ میں اس سے ایک نتیجہ نکالنا چاہتا ہوں اور کبھی برے فعل سے بھی اچھا نتیجہ نکال لیا جاتا ہے جیسے حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک چور کو پھانسی پر لٹکا ہوا دیکھا پوچھا کہ اس کو پھانسی کیوں دی گئی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ بڑا پکا چور تھا ایک بار گرفتار ہوا تو اس کا داہنا ہاتھ کاٹا گیا پھر بایاں پیر کاٹا گیا پھر بھی چوری سے باز نہ آیا تو خلیفہ نے پھانسی کا حکم دیا حضرت جنیدؒ نے یہ سن کر اس کے پیر چوم لیے لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ چور کے پیر چومتے ہیں فرمایا میں نے چوری کی وجہ سے اس کے پیر نہیں چومے بلکہ اس کے استقلال کے قدم چومے ہیں کہ یہ اپنے محبوب پر گو وہ مذموم(۱) ہی تھا ایسے استقلال(۲) کے ساتھ جما رہا کہ اسی میں جان دے دی، افسوس ہم اپنے محبوب محمود کے

(۱) برا ہی تھا (۲) مستقل مزاجی سے

ساتھ بھی یہ معاملہ نہیں کرتے تو جیسے حضرت جنیدؒ نے برے فعل سے نتیجہ اچھا نکال لیا۔ اسی طرح میں کہتا ہوں کہ گو اس شخص کا گالیاں دینا برا فعل تھا مگر سادگی کے ساتھ یہ اس میں خوبی تھی جس کا یہ اثر ہوا کہ لوگ اس کی باتوں کا برا نہ مانتے تھے اس سے معلوم ہوا کہ سادگی اور بے تصنعی عجب چیز ہے جو تلخ کو شیریں (۱) کر دیتی ہے۔

حضرت گنج مرادآبادیؒ کی سادگی

یہی بات مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب میں تھی کہ ان کا غصہ اور تیزی سادگی کے ساتھ تھی اس لیے کسی کو ناگواری نہ ہوتی تھی بعض دفعہ وہ بڑے بڑے عہدہ داروں کو ایسی تیز تیز باتیں فرمادیا کرتے تھے کہ ہم ویسی باتیں کہیں تو ایک دن میں بدنام ہوجائیں۔

ایک مرتبہ وزیر حیدر آباد مولانا کے یہاں حاضر ہوئے تو آپ فرماتے ہیں ارے نکالو ارے نکالو، صاحبزادے نے عرض کیا حضرت حیدر آباد کے وزیر ہیں فرمایا ارے تو میں کیا کروں میں کیا ان سے تنخواہ پاتا ہوں۔ تھوڑی دیر کے بعد فرمایا اچھا رات کے دو بجے تک رہنے کی اجازت ہے اس کے بعد چلے جائیں، بے چارے وزیر نے اسی کو غنیمت سمجھا اور اس کی تہذیب دیکھئے کہ رات کے ۲ بجے فوراً چلا گیا خدام نے کہا بھی کہ صبح کو چلے جایئے گا۔ اب تو مولانا سو رہے ہیں انہیں کیا خبر ہوگی کہا نہیں یہ بے ادبی ہے بزرگوں کے ساتھ ایسا معاملہ نہ کرنا چاہئے، اب حضرت کی اجازت نہیں ہے میں نہ ٹھہروں گا تو مولانا بڑے سے بڑے کو ایسی تیز تیز کہہ دیتے تھے اور کچھ ناگوار نہ ہوتا تھا۔

حضرت گنج مرادآبادی کے پاس لیفٹیننٹ کی آمد

ایک دفعہ لیفٹیننٹ گورنر نے آپ کی زیارت کو آنا چاہا اور اپنے سیکرٹری کے ذریعہ سے باقاعدہ اجازت حاصل کی مولانا نے اجازت دے دی اور لوگوں سے فرمایا وہ ہم کو کیا جانیں لوگوں نے عرض کیا حضرت آپ کو تو سارا زمانہ جانتا ہے پھر فرمایا کہ وہ بیٹھیں گے کہاں ہمارے یہاں تو سونے کی کرسی بھی نہیں۔ خدام نے عرض کیا کہ حضرت وہ لکڑی کی کرسی پر بھی بیٹھ جاویں گے فرمایا اچھا۔ پھر فرمایا کہ کیا ہم لیفٹیننٹ گورنر کو دروازہ تک لینے جاویں،

(۱) کڑوے کو میٹھا کر دیتی ہے۔

عرض کیا گیا کہ اگر مزاج چاہے تو مضائقہ بھی نہیں، یہ باتیں ان کے آنے سے پہلے ہورہی تھی، مگر کچھ دیر کے بعد مولانا بھول بھال گئے اور جب وہ تاریخ آئی جس میں لیفٹیننٹ گورنر آنے والے تھے تو حضرت نے نہ کچھ سامان کیا نہ استقبال کیا بلکہ اپنی جگہ سے اٹھے تک نہیں جیسے بیٹھے تھے ویسے ہی بیٹھے رہے۔ لیفٹیننٹ گورنر تو بیٹھ گئے باقی سب انگریز جوان کے ساتھ تھے کھڑے رہے ایک میم بھی کھڑی رہ گئی تو مولانا نے ایک الٹے گھڑے کی طرف اشارہ کرکے فرمایا بی تو اس پر بیٹھ جاوہ اس پر بیٹھ گئی پھر لیفٹیننٹ گورنر نے عرض کیا کہ حضرت ہمیں کچھ وصیت فرمایئے فرمایا تم کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہے دیکھو ظلم مت کرنا ورنہ تم سے حکومت چھن جائے گی۔ پھر اس نے کہا کہ حضرت ہمیں کچھ تبرک عطا فرمایا جائے، آپ نے فرمایا مجھ غریب کے پاس تمہارے دینے کو کیا رکھا ہے، پھر خادم سے پکار کر فرمایا ارے مٹھائی کی ہنڈیا میں کچھ چورا پڑا ہو تو ان کو دیدے یہ مانگ رہے ہیں چنانچہ وہ چورا تھوڑا تھوڑا سب کو بانٹا گیا اور سب نے نہایت ادب سے اس کو لیا میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ لیفٹیننٹ گورنر کو مولانا کے پاس آنے کی کیا ضرورت تھی کیا مولانا حاکم تھے یا نواب اور رئیس تھے کچھ بھی نہیں پھر آخر یہ دل کشی کس چیز کی تھی کہ مسلم اور غیر مسلم ان کے دروازے پر آتے تھے۔

صاحبو! یہ سادگی ہی کی دل کشی تھی تکلف اور تصنع سے یہ بات پیدا نہیں ہوا کرتی اسی کو فرماتے ہیں۔

دل فریبان نباتی ہمہ زیور بستند — دلبر ماست کہ باحسن خدا داد آمد
زیر بارند درختاں کہ ثمرہا دارند — اے خوشا سرو کہ از بند غم آزاد آمد(۱)

نوٹ: اس وعظ کا بقیہ حصہ اگلے شمارے میں چھپے گا جس کی ابتدا اس عنوان سے ہورہی ہے (حقیقی آزادی)

(۱) ”دل فریبان نباتی زیور متعارف سے مزین ہیں ہمارے محبوب میں حسن خداداد ہے جو درخت پھلدار ہیں وہ زیر بار ہیں سرو بہت اچھا ہے کہ ہر غم سے آزاد ہے“

أخبار الجامعة

محمد منیب صدیقی

ادارۃ أشرف التحقیق۔ جامعہ دار العلوم الاسلامیۃ۔ لاھور

مورخہ 4 اگست 2021 (ہفتہ) قاری یاسین صاحب مہتمم جامعہ صدیقیہ بہاولپور کی دعوت پر حضرت مولانا ڈاکٹر قاری احمد تھانوی (مدظلہ) مہتمم جامعہ ہٰذا اُن کے جامعہ تشریف لے گئے جہاں پاکستان کے معروف قاری اور محافل کی زینت الشیخ قاری محمد ادریس آصف صاحب کی بحیثیت صدر مدرس تقرری کے موقع پر تجوید وقراءات کا افتتاحی سبق پڑھایا اور تاریخ علم القراءات کے موضوع پر ایک گھنٹہ کا تفصیلی خطاب فرمایا۔

مورخہ 14 اگست 2021ء بسلسلہ یوم آزادی جامعہ میں مرکز و برانچوں میں تقریبات کا اہتمام کیا گیا سب سے پہلے حضرت مہتمم صاحب علی الصبح بعد نماز فجر مانگا منڈی جدید برانچ میں بیان فرمایا پھر مصطفی ٹاؤن دار الفلاح برانچ میں طلباء سے خطاب فرمایا۔ 10 بجے آخری تقریب مرکز کامران بلاک میں ہوئی جہاں طلباء نے تلاوتیں، نظمیں اردو، عربی، انگریزی زبان میں بیانات کئے اور اجتماعی شکل میں قومی وملی ترانہ پیش کیا پھر آخر میں مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی نائب مہتمم جامعہ ہٰذا نے اپنے خطاب میں وطن عزیز پاکستان کو اللہ کریم کی عظیم نعمت قرار دیا اور اسلامی ریاست کے قیام کے لیے ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء علماء نے خدمات سرانجام دیے ان کا تذکرہ کیا جس کے ثمرہ میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان جیسی عظیم نعمت عطا فرمائی، مولانا نے اس نعمت کی قدردانی پر زور دیا تاکہ ملک کی بقا وسلامتی قائم رہے۔ پھر ڈاکٹر قاری رشید احمد تھانوی ناظم شعبہ امتحانات نے تینوں تقریبات کی مختصر روئیداد پیش کی اور آخر میں حضرت مہتمم صاحب (مدظلہ) نے اکابرین علماء کی تحریک آزادی میں 1831ء سے لیکر 1947ء تک کی سلسلہ میں شاندار اور خدمات پر تفصیلی روشنی ڈالی اور ملک کی بقا وسلامتی وشہداء وغازیان کے حق میں خصوصی دعا فرمائی۔